ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

ایک غلام کا فرض اپنے آقا کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی تعمیل ہے اسکو یہ حق کبھی نہیں پہنچتا کہ ضروری اور غیر ضروری کی بحثیں پیدا کر کے بعض حکموں کو تو مانے اور بعض سے بے رخی برت جائے۔ آقا کا حکم بہرحال حکم ہے جسے ہر صورت میں پورا ہونا چاہیے۔ مسلمان نے بھی اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی اور ہمہ وقتی غلامی کا عہد کیا ہے۔ اب اگر (بطور مثال) اس آقا کی طرف سے اسکے پاس یہ دو حکم آتے ہیں ایک تو یہ کہ نماز پڑھو دوسرا یہ کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو تو اسکا فرض ہے کہ وہ یکساں توجہ کے ساتھ ان دونوں حکموں پر عمل کرے، اسلئے کہ اگر وہ دونوں میں سے صرف پہلے پر عمل کرتا ہے اور دوسرے کو سن کر خاموش ہو رہتا ہے تو کون ہے جو اسکے اس طرز عمل کو اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت اور اس کی کتاب الاحکام ...... قرآن کی پوری پابندی قرار دے سکے؟ پھر یہ کیا ستم ہے کہ قرآن کے ایک دو نہیں بیسیوں احکام معطل ہو کر رہ گئے ہیں اور پھر بھی ہمیں خوش فہمی ہے کہ ہم اتباع دین کے مطالبے سے پوری طرح عہدہ برآ ہو رہے ہیں؟

(صدر الدین اصلاحی)

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد نمبر ۱۲	جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ ستمبر ۱۹۹۸ء	شمارہ نمبر ۹

مدیر مسئول	مدیر	مدیر معاون
نور محمد فلاحی	عبد البر اثری فلاحی	انیس احمد فلاحی

☆ سالانہ زر تعاون: 50.00 روپے
☆ خصوصی زر تعاون: 100.00 روپے
☆ بیرون ملک سے: 25.00 امریکی ڈالر
☆ طلبہ کے لئے: 40.00 روپے
☆ اعزازی زر تعاون: 1000.00 روپے
☆ قیمت فی شمارہ: 5.00 روپے

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے، جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ "مجلہ حیات نو" جامعۃ الفلاح
بلریاگنج، اعظم گڑھ۔ ۲۷۶۱۲۱ (یو، پی) فون نمبر 05466-25115

نقوش حیاتِ نو

اداریہ علماء تاثیر کیوں کھوتے جا رہے ہیں؟	عبدالبر اثری فلاحی	۳
بحث و نظر امریکہ کا زوال	مدیر جسارت	۷
ہدایت کے چراغ سعید بن مسیبؒ	ابو جلیس ندوی	۱۱
مذاہب عالم نصرانیت	انیس احمد مدنی فلاحی	۱۹
سیر و سوانح ذکر جلیل	عبدالرب اثری فلاحی	۲۵
فقہ و فتاویٰ بلا عذر جماعت سے غیر حاضری پر سزا نائی کے استعمال کا حکم	ابو دائم فلاحی	۳۸
منظومات دلی تاثرات	ثاقب صدیقی فلاحی	۴۰
تعارف و تبصرہ استعراض موجز	ابو عبدالرحمٰن عمر فلاحی	۴۱
جامعہ کے لیل و نہار ڈاکٹر عبدالمجید ندوی صاحب کی آمد نئی کتب کا اضافہ خوشی کی بات اظہار تعزیت	ادارہ	۴۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

علماء تاثیر کیوں کھوتے جا رہے ہیں؟

عبدالبر اثری فلاحی

رہ رہ کر یہ سوال ہر ذہن میں اٹھتا ہے کہ ہر سال دینی مدارس سے علماء دین کی بڑی کھیپ تیار ہو کر میدان عمل میں آتی ہے لیکن اس کے اثرات و نتائج کما حقہ دیکھنے کو نہیں ملتے، آخر کیا وجہ ہے؟ بالکل نفی تو کوئی نہیں کرتا لیکن معیار مطلوب پر نہ پاکر بے چین و مضطرب ضرور ہوتا ہے کیونکہ علماء دین کو لوگ اپنے قائد و رہبر کی حیثیت سے دیکھتے ہیں لیکن جب اس کا عملی ثبوت نہیں پاتے تو ان کا پریشان ہونا فطری ہے۔ یہ صورت حال یوں ہی نہیں پیدا ہو گئی ہے کہیں پر ضرور مرض ہے جس کا پتہ لگانے کی ضرورت ہے تاکہ اس پر بند باندھا جا سکے۔

اس تناظر میں جب آپ غور کریں گے تو پائیں گے کہ اصلاً طبقہ علماء کے اندر بعض ایسی خامیاں در آئی ہیں جن کے ہوتے مطلوب نتائج کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

سب سے بڑی خامی تو یہ ہے کہ ان کے اندر وحدت فکر بالکل نہیں ہے، سوچ کے دھارے الگ الگ ہیں، اس لئے یہ طبقہ مختلف گروہوں اور گروپوں میں بٹ گیا ہے، تبلیغ دین، اشاعت اسلام اور غلبہ دین کی کوشش کے بجائے اپنی جتھہ بندی قائم رکھنے اور مضبوط کرنے کی فکر ان پر زیادہ غالب ہو گئی ہے گویا کہ کل حزب بما لدیھم فرحون۔

دوسری خامی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ اکثر کے اندر رسوخ فی العلم نہیں پایا جاتا محض سرسری اور تقلیدی علم رکھتے ہیں۔ وہ تفقہ اور بصیرت جو دنیا پر دین کی حجت قائم کرنے کیلئے ضروری ہے خال خال ہی نظر آتی ہے حالانکہ قیادت و سیادت کیلئے نور بصیرت انتہائی ضروری ہے جیسا کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا، "تفقھوا قبل ان تسودوا" سردار بنائے جانے سے پہلے بصیرت حاصل کرو۔

اسی طرح فریضۂ دعوت کی ادائیگی اور انذار کی خاطر بھی فقاہت و بصیرت کا پیدا کرنا لوازم میں سے ہے جیسا کہ سورۃ توبہ آیت ۱۲۲ سے معلوم ہوتا ہے: فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔

ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل آتے تاکہ دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔

تیسری خامی یہ پائی جاتی ہے کہ ان کا علم یک رخا و یک طرفہ ہو کر رہ گیا ہے۔ صرف دین کا علم رکھتے ہیں، باطل افکار و نظریات اور ان کے فکر و فلسفہ سے اکثریت ناآشنا ہوتی ہے، حالات و ظروف اور ان کے اندر رونما ہونے والی تبدیلیوں سے عموماً نابلد ہوتے ہیں، جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوتا ہے تب وہ جان پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جدید افکار و نظریات کے علمبرداروں سے نبرد آزمائی ان کے لئے مشکل ہو جاتی ہے۔

چوتھی خامی یہ در آئی کہ موجودہ نظام تعلیم و تربیت کے سائے تلے عموماً ان کا ذہن دفاعی و تحفظاتی بن گیا ہے۔ کوئی مسئلہ درپیش ہو تو جرأت و ہمت کا مظاہرہ کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ حالانکہ ہمیشہ حالات کا رخ انہیں لوگوں نے موڑا ہے جنہوں نے حوصلہ و ہمت کا ثبوت دیا ہے۔ ہماری تاریخ یہ بتاتی ہے کہ قلندرانہ کردار علماء ہی کا

حصہ رہا ہے۔ آخر احمد بن حنبلؒ اور شیخ الہند محمود الحسنؒ باطل کے مقابلے میں کیسے سینہ سپر رہے۔

پانچویں خامی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ گوشہ نشینی و خلوت گزینی کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا ہے۔ چنانچہ عام لوگوں سے ان کا رابطہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ دوسری طرف دشمنوں نے علماء و عوام کے مابین خلیج پیدا کرنے کی سازش کر کے اسے اور انتہا کو پہنچا دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ روزمرہ کے معاملات میں بھی علماء کا فعال کردار نہیں کے برابر رہ گیا ہے اور جملہ امور میں لوگوں نے ان سے رجوع کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔

چھٹی خامی ان کے اندر مادیت کا بڑھتا رجحان ہے جو دن بدن ارتقاء پذیر ہے۔ یقیناً مادہ ہر انسان کی ضرورت ہے لیکن وہی سب کچھ نہیں ہے۔ مقصد اور حیثیت کے تناظر میں ترجیحات متعین کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مقصد سے گہری وابستگی اور قناعت و توکل کا دامن اگر ہاتھ میں ہو تو وہ ریس پیدا نہیں ہو سکتی جو اس وقت دیکھنے میں آتی ہے۔ اعتدال و توازن کے ساتھ ہر کام کو انجام دیا جا سکتا ہے، ہر ضرورت کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً منصبی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔ یقیناً حالات کا دباؤ اس وقت زیادہ ہے لیکن جو جتنے سنگین حالات میں فرض پورا کرتا ہے وہ اسی قدر اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

ضرورت ہے کہ مندرجہ بالا خامیوں پر سنجیدگی سے غور کیا جائے ان کے ازالے کی شعوری اور ٹھوس کوشش کی جائے تاکہ علماء اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ پا سکیں اور اپنی منصبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

اس کے لئے ناگزیر ہے کہ مل بیٹھ کر سوچا جائے۔ نصب العین کا گہرا شعور اور آگہی حاصل کی جائے۔ جملہ دینی امور میں ترجیحات متعین کی جائیں۔ وسعت قلب و نظر سے کام لیا جائے۔ رائج نظام تعلیم و تربیت میں بنیادی قسم کی تبدیلیوں کی

جائیں، ہم سوچ فی الاسلام اور بصیرت پیدا کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں، علوم وفنون کے تمام شعبوں میں تقسیم کار کے ذریعہ آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے، عوام کی غلط فہمیوں کے ازالے، ان کی صلاح وفلاح نیز ان کے دکھ درد میں شریک رہنے کو اپنا شیوہ بنایا جائے اور سب سے اہم بات یہ کہ قناعت وسادگی کو اپنا کر رضائے الٰہی کو مطمع نظر بنا کر جرأت وہمت کے ساتھ آگے بڑھا جائے۔ وما التوفیق الا باللہ۔

معاصر اسلامی
تحریک میں ایک اہم خامی یہ ہے کہ
ہر جماعت صرف اپنے ہی کو جماعت المسلمین تصور
کرتی ہے۔ یہ نہیں مانتی کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت
ہے۔ ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ وہی حق پر ہے باقی سب گمراہی کے
راستے پر گامزن ہیں۔ صرف اسی جماعت میں شامل ہونے والے جنت
کے اور آگ سے نجات کے مستحق ہوں گے۔ وہ واحد "فرقہ ناجیہ" باقی
سب ہلاکت کا شکار ہونے والے ہیں۔ یہ ان میں سے ہر اگر زبان
قال سے نہیں زبان حال سے ضرور کہتی ہے۔ امت
جس انتشار اور عدم وحدت کا شکار تھی اسی میں
تحریکیں بھی مبتلا ہو چکی ہیں۔ تحریک کے اصل ہدف
..... غلبہ اسلام ..... تک نہ پہنچ پانے میں اسی انتشار و
افتراق کا دخل ہے جس کا احساس بعض مخلص اور باشعور افراد کو
ہے اور وہ اسی چیز کے شاکی ہیں۔ فکر وعمل کا سفر اسی رخ پر جاری رہا تو
اتفاق وتقارب کے راستے منقطع ہو جائیں گے اور جڑنا مزید مشکل ہو جائیگا۔
(علامہ یوسف القرضاوی)

امریکہ کا زوال

(ایک فکر انگیز تجزیہ)

مدیر جسارت

امریکہ کے نائب وزیر خارجہ اسٹروب ٹالبوٹ اپنے وفد کے ہمراہ بھارت میں ناکامی کے بعد پاکستان سے بھی بے نیل مرام واپس ہوئے ہیں۔ لیکن امریکہ صرف برصغیر میں ہی نہیں دنیا میں ہر جگہ ناکام ہے اور پابندیوں کی سیاست اسکے کام نہیں آئی ہے۔ امریکہ کے اہل دانش مسلسل یہ کہہ رہے ہیں کہ ان پابندیوں کا امریکہ ہی کو نقصان ہوا ہے۔ امریکہ نے تیس سال کے بعد اب کیوبا سے کچھ پابندیاں ہٹا لی ہیں۔ ان تیس سالوں میں سی۔ آئی۔ اے۔ نے وحشی بموں سے لے کر زہر تک سب استعمال کئے۔ صدر کاسترو کو زہر دینا چاہا۔ ان پر قاتلانہ حملے کرائے۔ لیکن کیوبا جوں کا توں کھڑا ہے۔ حالانکہ اسکے لئے روس یا چین کی مدد بھی نہیں رہی تھی پھر بھی کاسترو کا کیوبا امریکہ کے سینے پر مونگ دل رہا ہے اور امریکہ کیوبا کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ لیبیا کے معاملے میں بھی امریکہ کی کچھ نہیں چلی۔ کرنل قذافی کا تختہ الٹنے اور لیبیا کو دبوچ لانے کے تمام حربے ناکام رہے ہیں اور اب امریکہ اپنی لیبیا پالیسی پر نظر ثانی کے لئے مجبور ہو رہا ہے۔ وہ لاکربی میں طیارے کی تباہی کے ذمہ دار مبینہ لیبیائی دہشت گردوں پر غیر جانبدار ملک میں مقدمہ چلانے کی لیبیائی تجویز کو منظور کرنے والا ہے۔ لیبیا کے حق پر اقوام متحدہ کے ذریعہ جو پابندی عائد کی گئی تھی اسکا بھی خاتمہ ہو رہا ہے۔ مصر کے صدر حسنی مبارک کے بعد کئی افریقی ممالک کے سربراہ لیبیا جانے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔

چین کے معاملے میں بھی امریکہ کی چین دشمن پالیسی چل نہیں سکی اور چین کو دوست بنانے پر مجبور ہوا ہے۔ صدر کلنٹن نے بذات خود چین جا کر چین اور امریکہ

کی "اسٹریٹجک پارٹنرشپ" کے نئے دور کا اعلان کیا حالانکہ چین پر بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے لے کر ایٹمی میزائل ٹکنالوجی اور سامان کی منتقلی تک کے تمام الزامات لگائے گئے اور اب بھی امریکی کانگریس میں چین کے خلاف مستقل شور برپا رہتا ہے لیکن حکومت امریکہ چین کے آگے جھکنے پر مجبور ہو گئی ہے اور چین کے بارے میں امریکی پالیسیوں کی شکست کا اعتراف کر لیا گیا ہے۔

ایران کے معاملے میں بھی امریکہ کو منہ کی کھانی پڑی ہے۔ اگرچہ کہ ایران میں لبرل عناصر نے زور پکڑا ہے لیکن یہ فطری ہے اور اس سے فائدہ اٹھا کر امریکہ دوبارہ ایران کو اپنے زیر تسلط نہیں لا سکے گا بلکہ اسے اپنی ناک نیچی کر کے ایران سے مصالحت کی راہ نکالنی ہو گی۔ امریکہ نے ایک ہوشیاری یہ دکھائی تھی کہ یورپ اور ایران کو آپس میں برگشتہ کرنے کیلئے سلمان رشدی کو استعمال کیا تاکہ ان میں کشیدگی رہے، لیکن یورپ نے آخر محسوس کیا کہ وہ ہر جگہ امریکہ کے ساتھ فریق بن کر اپنا نقصان کر رہا ہے، اسلئے یورپی یونین اپنی گزشتہ غلطیوں کی تلافی چاہتی ہے۔ اس غرض کیلئے اٹلی کے وزیر اعظم نے ایران کا دورہ کیا ہے اور امریکہ کی مرضی کے علی الرغم یورپ ایران کی دوستی حاصل کرنے کیلئے ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ عالم عرب میں جہاں سے امریکہ نے یورپ کو نکال باہر کیا تھا یورپ دوبارہ اپنی بحالی کیلئے کوشاں ہے اور امریکہ کا تابع مہمل بنے رہنے کی پالیسی سے چھٹکارے کی راہ پر گامزن ہے۔ گزشتہ صدیوں میں دنیا کی اصلی تہذیبی قوت یورپ تھی اور اس کے عالمی غلبے میں اس تہذیبی قوت کو بڑا دخل تھا لیکن امریکہ نے عالمی جنگوں میں (جو صیہونیت کی سازشوں کا نتیجہ تھیں) یورپ کی تباہی کے بعد اس پر اپنا تسلط جما لیا اور یورپ امریکہ کا غلام بن کر رہ گیا، لیکن یورپی یونین، یورپی مشترکہ منڈی، یورپی پارلیمنٹ اور یورپ کی مشترکہ کرنسی یورو کے اجراء کے فیصلے یورپ کی اس خواہش کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ امریکی غلبہ سے نجات چاہتا ہے

اور جرمنی، فرانس ہی میں نہیں برطانیہ میں بھی سیاست پنپ رہی ہے اور احساس ابھر رہا ہے کہ ہمیں امریکہ پر انحصار کرنے کے بجائے اپنی الگ آزاد طاقت اور حیثیت قائم کرنی چاہیئے۔ آنے والے دنوں میں یورپ اور امریکہ کی اس کشمکش میں اور بھی اضافہ ہو گا۔ ابھی چند روز پہلے بین الاقوامی عدالت جرائم کی تشکیل کا فیصلہ امریکہ کی مخالفت کے باوجود بھاری اکثریت سے ہوا ہے، امریکہ کا صرف پانچ ملکوں نے ساتھ دیا، اسی طرح جنرل اسمبلی میں فلسطینی مبصر کا درجہ بڑھانے کی قرارداد بھی امریکہ کی مخالفت کے باوجود منظور کر لی گئی۔ یہ حالات پتہ دے رہے ہیں کہ امریکہ دنیا کا چودھری نہیں رہا بلکہ اس کی چودھراہٹ کے خلاف دنیا کے ہر حصہ میں غم و غصہ ہے جو ضرور رنگ لا کر رہے گا۔ عالم عرب میں مصر کے حسنی مبارک امریکہ کے خاص آدمی تھے لیکن اب وہی امریکہ کو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ سعودی عرب کو امریکہ کا حلیف سمجھا جاتا تھا لیکن آج ہر سعودی امریکہ سے نالاں ہے کہ اس نے اس کی معیشت تباہ کر دی۔ امریکہ سے سعودیوں کی یہ ناراضگی عام آدمی کی سطح سے لیکر مقتدر شاہی خاندان تک میں ہے، اسلئے سعودی عرب اور ایران بھی اپنے تعلقات اچھے کر رہے ہیں۔ عالم عرب میں یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ امریکہ اسرائیل پر کوئی دباؤ ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہے اور سمجھوتہ کی امید نہیں رہی ہے۔ امریکی وزیر خارجہ میڈیلین البرائٹ کا تازہ اشارہ ہے کہ فلسطینی جو کچھ اسرائیل سے ملتا ہے لے لیں امریکہ اسرائیل پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ شام بھی امریکہ سے مایوس ہے کہ وہ اس کا اسرائیل سے کوئی سمجھوتہ کرا سکتا ہے۔ شام کے صدر حافظ الاسد نے اپنے حالیہ دورہ فرانس میں امریکہ کی طرف سے مکمل مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ ترکی میں فوج نے اسلامی رفاہ پارٹی کی حکومت ختم کر دی لیکن فوج قبرص کے معاملے میں زیادہ سخت رویہ کا مظاہرہ کر رہی ہے اور ترکی سرحد کے اندر اور اس سے متصل کرد علاقہ میں کردستان بنانے کی امریکی سازش کو سمجھ رہی ہے۔ روس میں

امریکہ کے خلاف نیا ہیجان ہے۔ امریکہ اور آئی ایم ایف کی پالیسیوں کے نتیجے میں عوام کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے اور امریکہ مخالف انقلاب کے امکانات کافی ہیں۔ ان امکانات کو آئی ایم ایف کے بائیس ارب ڈالر نہیں روک سکیں گے۔ اگر کوئی انقلاب نہیں بھی آتا ہے تو بھی روس سرمایہ داری کا پابند نہیں بن سکے گا۔

ایشیائی ٹائیگر ملکوں نے اقتصادی ترقی کی جو معراج حاصل کی تھی وہ آئی ایم ایف کی پالیسیوں اور بین الاقوامی سٹہ بازوں، کرنسی ڈیلروں کی ملی بھگت سے ختم ہو گئی اور اب یہ ممالک مفلوک الحال ہو گئے ہیں اور فلپائن، کوریا، ملیشیا، انڈونیشیا ہر جگہ یہ سمجھا جا رہا ہے کہ انکے خلاف سازش ہوئی ہے اور اس سازش میں امریکہ اور آئی ایم ایف نے کردار ادا کیا ہے۔ اس بنا پر ان علاقوں میں بھی امریکہ سے نفرت عام ہو گئی ہے۔ جاپان میں پہلے بھی امریکہ کے خلاف جذبات تھے، لیکن جاپانی سکہ ین کی قیمت میں زبردست کمی کے بعد جاپان امریکہ تجارتی مفادات کا ٹکراؤ اور بڑھ گیا ہے۔ جاپان امریکہ کی نئی چینی نواز حکمت عملی کو بھی تشویش کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ افریقہ میں امریکہ پہلے ہی صومالیہ کے فرح عدید کے مقابلے میں مار کھا گیا تھا۔ اب نائیجیریا میں اپنے ڈھب کی جمہوریت لانے کے لئے الٹی سیدھی حرکتیں کر رہا ہے، لیکن افریقہ پر نئے سرے سے توجہ دینے کے باوجود امریکہ ابھی تک کچھ حاصل نہیں کر سکا ہے اور اپنے اقتصادی مفادات کے لئے اسے جو استحکام چاہئے وہ افریقہ میں ناپید ہے۔

اس عالمی جائزے کا ماحصل یہ ہے کہ امریکہ دنیا کے ہر بر اعظم میں ناکام ہو رہا ہے، اس کے خلاف نفرت کی لہر چل پڑی ہے۔ اس لئے کسی کو امریکہ سے خائف ہونے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں، امریکہ کے دن اب تھوڑے ہی رہ گئے ہیں۔ اس کی اقتصادیات بھی دم توڑ دے گی اور سیاست بھی .... اور جو نئی دنیا بنے گی وہ امریکی شر سے محفوظ ہوگی۔ (شکریہ جسارت ۲۵ ر جولائی ۱۹۹۸ء)

سعید بن مسیبؒ

ابو جلیس ندوی

اموی حکمران عبد الملک بن مروان کو حج کا شوق پیدا ہوا۔ ذیقعدہ کا مہینہ آیا تو دمشق سے روانگی ہوئی۔ ساتھ میں کچھ شاہزادے، شاہی خاندان کے امراء، عمائدین سلطنت اور کچھ علماء کرام بھی تھے۔

قافلہ مدینہ پہنچا تو خلیفہ نے سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضری دی، روضہ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر صلوۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیا تو اسے بے خودی کی سی لذت و راحت محسوس ہوئی کہ مدینہ چھوڑ کے جانے کو اب جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ مدینہ ہی اس کی قیام گاہ ہوگی تا آنکہ کوئی ناگزیر ضرورت پیش آ جائے۔

مدینہ میں اس کی دلچسپی کا باعث سب سے زیادہ مسجد نبوی میں آراستہ وہ علمی مجلسیں تھیں جن میں تابعین علماء جلوۂ خورشید کا سماں کرتے تھے۔ کہیں عروہ بن زبیر شمع محفل بنے بیٹھا کرتے تھے تو کہیں عبد اللہ بن عتبہ کہکشاں کی انجمن سجایا کرتے تھے اور کہیں پر سعید بن مسیب مہر جہاں تاب کی جلوہ فشانی کرتے دکھائی دیتے تھے۔

ایک دن دوپہر کے قیلولہ میں خلیفہ کی نیند خلاف معمول مقررہ وقت سے پہلے کھل گئی۔ اس نے خادم کو آواز دی اور کہا، "میسرہ! جاؤ مسجد نبوی سے کسی بزرگ عالم دین کو بلا لاؤ۔ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث سنیں گے۔ میسرہ مسجد پہنچے۔ مسجد میں چاروں طرف نظر دوڑائی، صرف ایک حلقہ درس نظر آیا۔ ایک ساٹھ سالہ بزرگ کے گرد حلقہ بنائے لوگ ادب سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے سے بزرگی کا نور چھلک رہا تھا۔ ان کی سادگی عالمانہ وقار و ہیبت کی سرگوشی کر رہی تھی۔ میسرہ حلقہ

سے کچھ دور کھڑا ہو گیا۔ موقع پا کر اس نے شہادت انگشت سے ان کو بلایا، لیکن انہوں نے کوئی التفات نہ ملا۔ وہ اور قریب گیا اور کہا، ”میں آپ ہی سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”مجھ سے بات کرنا چاہتے ہو؟“ شیخ نے پوچھا۔

”جی ہاں“ میسرہ نے جواب دیا۔

”بتاؤ کیا بات ہے؟“ شیخ نے پوچھا۔

بات یہ ہے، میسرہ نے وضاحت کی، کہ امیر المومنین آج دوپہر کی نیند سے بیدار ہوئے تو کہا کہ جاؤ مسجد نبوی کے کسی عالم کو بلا لاؤ تاکہ ان سے کچھ سنا جائے۔

شیخ نے کہا، ”میں نے تو ان کو کبھی کچھ نہیں سنایا۔“

میسرہ نے کہا، ”وہ کسی محدث سے حدیث سننا چاہتے ہیں۔“

شیخ نے کہا، ”جس شخص کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ خود اس کے پاس جاتا ہے، یہاں حلقہ درس میں انکے لئے بڑی کشادہ جگہ ہے۔ چاہیں تو آکر بیٹھ سکتے ہیں۔ حدیث کسی کے پاس نہیں جاتی بلکہ مشتاقان حدیث کو خود ان کا شوق کھینچ کر اس کے حضور لے جاتا ہے۔“

خادم نے واپس آکر خلیفہ سے کہا، ”مسجد میں صرف ایک شیخ موجود تھے۔ میں نے ان کو اشارہ سے بلایا وہ ملتفت نہ ہوئے تو میں قریب گیا اور ان سے کہا کہ امیر المومنین کسی محدث سے حدیث سننے کے مشتاق ہیں، آپ تشریف لے چلیں۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ میں ان کو حدیث سنانے نہیں جاؤں گا۔ ان کو حدیث سننے کا شوق ہے تو حلقہ درس میں آکر شریک ہو سکتے ہیں۔“

یہ سن کر عبدالملک نے گہرا سانس لیا اور فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، پھر یہ کہتے ہوئے اندر چلا گیا کہ یہ سعید بن مسیب ہیں کاش تم ان کے پاس نہ گئے ہوتے اور ان سے کوئی بات نہ کی ہوتی۔ خلیفہ اندر گیا تو اس کے چھوٹے لڑکے نے اپنے بڑے

بھائی سے پوچھا کہ آخر یہ کون آدمی ہے جو امیر المومنین کی خدمت میں حاضری اپنی کسر شان سمجھتا ہے جب کہ دنیا ان کی مطیع و منقاد ہے حتی کہ روم امپائر بھی ان کے شاہی دبدبوں سے لرزتا ہے۔

بڑے بھائی نے کہا، ”یہ وہی شخص ہے جس کی لڑکی کو امیر المومنین نے اپنے بھائی ولید کے لئے پیغام بھیجا تھا تو اس نے انکار کر دیا تھا۔

چھوٹے لڑکے نے حیرت سے پوچھا کہ ولید بن عبدالملک سے اپنی بیٹی کا رشتہ منظور نہیں کیا تو کیا ان سے بھی زیادہ بلند مرتبہ کا کوئی آدمی ان کی نگاہ میں تھا حالانکہ وہ مستقبل قریب میں امیر المومنین ہونے والے ہیں۔“

بڑے بھائی نے کوئی جواب نہ دیا، خاموش رہا۔

چھوٹے لڑکے نے پھر سوال کیا کہ جو شخص امیر المومنین ہونے والا تھا اس سے اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں پسند کیا تو پھر کس سے اس کی شادی کی یا یہ کہ اس کی شادی ہی نہیں کی جیسا کہ بعض غلط اندیش کرتے ہیں۔

بڑے بھائی نے کہا، ”مجھے کچھ نہیں معلوم کہ اس لڑکی کا کیا ہوا؟!“

مدینہ کے ایک آدمی نے ان دونوں کی گفتگو سنی تو بولا، ”اگر اجازت ہو تو میں عرض کروں، انہوں نے اس لڑکی کی شادی ہمارے محلہ کے ایک نوجوان سے کی جس کا نام ابو وداعہ ہے، اس کا گھر میرے گھر سے متصل ہے، اس کی شادی کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ اس نے خود مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا۔

دونوں شہزادوں نے کہا، ”وہ واقعہ ہمیں بھی سنائیے۔“

اس نے کہا کہ ابو وداعہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں طالب علم تھا، میں مسجد نبوی ہی میں اپنے اوقات زیادہ تر گزارتا تھا۔ سعید بن مسیب کے حلقہ درس میں لازما شریک ہوا کرتا تھا، کسی دن بھی درس میں کبھی غیر حاضر نہ ہوتا لیکن کسی مصروفیت کی

وجہ سے ایک بار کئی دنوں تک درس میں حاضر نہ ہو سکا۔ انھوں نے مختلف لوگوں سے میرا حال پوچھا لیکن کسی سے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ آخر کیا یک درس سے میں کیوں بغیر اطلاع کے غیر حاضر ہوں۔ جب مصروفیت ختم ہوئی اور میں درس میں حاضر ہوا تو انھوں نے مجھ سے غیر حاضر رہنے کا سبب پوچھا۔ میں نے بتایا کہ میری بیوی انتقال کر گئی تھیں انھیں کی تجہیز و تکفین کی مصروفیت میں حاضرِ درس نہ ہو سکا۔

انھوں نے کہا ہمیں بتایا کیوں نہیں تاکہ ہم بھی جنازہ میں شریک ہوتے اور تمہارے غم کے آنسو پونچھتے۔

میں نے کہا، "اللہ آپ کا بھلا کرے، غم کے دباؤ میں مجھے خیال نہ آیا۔" یہ کہہ کر میں نے رخصت ہونا چاہا تو انھوں نے کہا:

"ذرا ٹھہرو۔"

جب حلقہ درس میں شریک تمام لوگ چلے گئے تو مجھ سے پوچھا کہ دوسری شادی کے بارے میں کیا سوچا۔

میں نے کہا کہ میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے، بھلا مجھ جیسے یتیم و نادار کو اپنی لڑکی کون دے گا۔ اس لیے دوسری شادی کی بات سوچنا ہی عبث ہے۔

انھوں نے کہا، "میں اپنی بیٹی کو تمہاری زوجیت میں دیتا ہوں۔"

یہ سن کر تو میری جیسے زبان ہی سل گئی۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا دیا اور کہا:

"آپ اپنی بیٹی سے میری شادی کریں گے۔"

انھوں نے کہا، "جس کے دین و اخلاق پسندیدہ ہوں ہم اسی سے اپنی بیٹی کی شادی کریں گے۔"

پھر جو لوگ ہم سے قریب بیٹھے تھے ان کو آواز دی۔ وہ لوگ آ گئے تو خطبہ نکاح پڑھا اور اپنی بیٹی کو میرے حبالۂ عقد میں دے دیا۔ دو درہم مہر متعین کیا۔ نکاح کے

بعد میں کھڑا ہوا لیکن خوشی کے تلاطم میں مجھے یارائے سخن نہیں تھا۔ کسی سے کوئی بات کیے بغیر میں سیدھے اپنے گھر گیا۔ میں جی ہی جی میں اپنے آپ کو کوستا تھا کہ نالائق تو نے یہ کیا کیا۔ کوئی تجھ کو قرض بھی تو نہیں دے سکتا پھر تو نے شادی کیوں کی۔ اسی طرح کے خیالات کے گرداب میں پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ مغرب کی اذان ہوئی نماز ادا کر کے میں تیل لگا کے روٹی کھانے بیٹھا۔ ابھی پہلا ہی لقمہ لیا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔

میں نے پوچھا، "کون ہے؟"

آواز آئی، "سعید"

بخدا سعید نام کے جتنے آدمیوں کو میں جانتا تھا ان تمام لوگوں کی طرف میرا ذہن منتقل ہوا لیکن سعید بن مسیبؒ کی جانب قطعاً ذہن نہیں گیا، کیونکہ چالیس سال سے میں نے ان کو مسجد اور گھر کے سوا کسی دوسری جگہ نہیں دیکھا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو سعید بن مسیب سامنے کھڑے تھے۔

میں نے سوچا کہ میرے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر کے اب پچھتا رہے ہوں گے۔ میری غریبی کو دیکھ کر اپنا فیصلہ بدل دیا ہوگا۔

میں نے کہا: "آپ نے کیوں زحمت کی، کوئی ضرورت تھی تو مجھے حکم دیتے، میں خود حاضر ہو جاتا۔"

انھوں نے کہا، "تم زیادہ حق دار ہو کہ تمہارے پاس آیا جائے۔"

میں نے کہا، "تشریف لائیے۔"

انھوں نے کہا، "میں ایک کام سے آیا ہوں۔"

میں نے کہا، "فرمائیے، بندہ حاضر ہے۔"

انھوں نے کہا، "شریعت کی رو سے میری لڑکی اب تمہاری بیوی ہے۔ چ

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم تنہا ہو اس لئے یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی کہ تم اپنی بیوی سے تنہا رات گزارو، اس لئے اس کو ساتھ لے کر آیا ہوں۔"

میں نے حیرت سے پوچھا، "ان کو ساتھ لے کر آئے ہیں۔"

انہوں نے کہا، "ہاں"

میں نے دوسری جانب دیکھا تو دیکھا کہ ایک بالا قد دوشیزہ کھڑی ہے۔

انہوں نے اس سے کہا، "بنی اللہ کا نام لے کر اس کی برکت کے سہارے اپنے شوہر کے گھر میں جاؤ۔ ان کے قدم اٹھے تو حیا کے بوجھ سے وہ گر پڑیں۔ میں سامنے حیرت کی تصویر بنا کھڑا رہا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے۔

پھر میں نے لپک کے روٹی چھپادی اور چھت پر چڑھ کر محلہ والوں کو آواز دی۔

لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟

میں نے کہا، "آج مسجد میں سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی سے میری شادی کردی اور اس کو لے کر اچانک میرے گھر آگئے اس لئے آپ لوگ آیئے اور ان کو تھوڑا محبت کا سہارا دیجئے تاکہ میں اپنی امی کو بلالاؤں کہ ان کا گھر کچھ فاصلہ پر ہے۔

ایک بوڑھی عورت نے کہا، "ارے تو پاگل تو نہیں ہو گیا ہے۔ سعید بن مسیب اپنی بیٹی تجھ کو دے دیں گے اور اس کو خود ہی تیرے گھر بھی پہنچادیں گے، جب ولید بن عبدالملک سے انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی نہیں کی تو بھلا تیرے ساتھ کیسے کر دیں گے۔"

میں نے کہا، "یقین نہیں تو آکر دیکھ لو۔ وہ گھر میں موجود ہیں۔" لوگوں کو میری بات کا یقین نہیں آرہا تھا لیکن گھر آئے تو مبارک باد دینے لگے۔

تھوڑی دیر بعد میری ماں آگئیں اور انہوں نے کہا، "جب تک اسے بنا سنوار

نہ لوں تیرا منہ نہ دیکھوں۔" انہوں نے تین دن انہیں اپنے پاس رکھا اور پھر شریف خواتین کی طرح دلہن بنا کر میرے سپرد کیا۔

میں نے دیکھا تو مدینہ کی خوبصورت ترین دلہن لگ رہی تھی اس پر مستزاد یہ کہ وہ حافظ قرآن بھی تھی اور راوی حدیث رسول بھی۔ عورتوں میں شوہر کے حقوق کو سب سے زیادہ سمجھنے والی۔

اسی حال میں ان کے ساتھ کچھ دن گزرے۔ پھر میں حلقہ درس میں حاضر ہوا، سلام کیا انہوں نے جواب دیا اور کوئی بات نہ کی۔

درس ختم ہوا اور میرے سوا وہاں کوئی دوسرا نہ رہ گیا تو پوچھا، "ابو وداعہ! تمہاری بیوی کا کیا حال ہے؟"

میں نے کہا، "الحمد للہ اچھی ہیں۔"

پھر میں گھر گیا تو دیکھا انہوں نے ہمارے اخراجات کیلئے بہت کچھ بھیجا ہے۔

عبدالملک کے لڑکے نے یہ واقعہ سنا تو کہا، "وہ تو عجیب و غریب آدمی ہیں۔"

مدینہ کے آدمی نے کہا، "اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" انہوں نے دنیا کو آخرت کمانے کا ذریعہ بنالیا ہے اور اپنے لئے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے گھر والوں کے لئے دنیا کی فانی لذتوں کو بیچ کر آخرت کی پائیدار نعمت خریدلی ہے۔"

ایسا نہیں تھا کہ انہوں نے امیر المومنین کے بھائی کو اپنے سے کمتر سمجھا بلکہ اس سے شادی اس لئے نہیں کی کہ وہ اس کو دنیا کے فتنوں میں گرفتار ہونے سے بچانا چاہتے تھے۔

ان کے بعض شاگردوں نے شکایت کے لہجے میں ان سے کہا کہ آپ نے امیر المومنین کے بھائی کا پیغام تو ٹھکرادیا اور لڑکی کو ایک نادار مفلس کے سپرد کردیا۔

انہوں نے جواب دیا۔

"میری بیٹی ایک امانت تھی۔ میں نے جو کچھ کیا اس کی بہتری کے لیے کیا۔

کہا گیا کہ یہ کیسی بہتری ہے۔

انہوں نے کہا، "اگر وہ شاہی محل میں خدم و حشم کے ساتھ عیش و آرام کی دلدادہ ہو جاتی تو اس کی دین داری کا کیا ہوتا؟"

ایک شامی آدمی نے یہ بات سنی تو کہا، "یہ تو انوکھے مذہب کے آدمی ہیں۔"

مدینہ کے ایک آدمی نے کہا، "تم جن کو کہتے ہو وہ واقعی بے مثال عابد ہیں، دن میں روزہ رکھتے ہیں، رات عبادت میں گزارتے ہیں۔ چالیس سال سے مسجد نبوی میں ان کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی اور ہمیشہ نماز کی پہلی صف میں رہے۔ چالیس حج کیا۔

وہ اکثر کہا کرتے تھے، "انسان کی عزت سب سے زیادہ اطاعت الٰہی میں ہے اور ذلت سب سے زیادہ معصیت و گناہ میں ہے۔"

مولانا سید حامد حسینؒ نمبر

ماہنامہ "حیات نو" کی خصوصی پیشکش "مولانا سید حامد حسین نمبر" کے کچھ شمارے دفتر میں موجود ہیں۔ خواہش مند حضرات اس کی قیمت ۲۰ روپے بھیج کر حاصل کر سکتے ہیں۔

شرح اشتہارات

آخری صفحہ ٹائیٹل	۱۰۰۰ روپے
اندرونی صفحہ ٹائیٹل	۶۰۰ روپے
آخری صفحہ ٹائیٹل (اندرونی)	۷۰۰ روپے
پورا صفحہ اندرونی	۵۰۰ روپے
نصف صفحہ اندرونی	۲۵۰ روپے
چوتھائی صفحہ اندرونی	۱۵۰ روپے

پتہ: منیجر "حیات نو" جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ۔ 276 121 (یو۔پی۔)

فون: 05466-25115

نصرانیت (۴)

انیس احمد فلاحی مدنی

اناجیل کی تاریخی حیثیت: اناجیل چار ہیں:

۱۔ انجیل متی　　۲۔ انجیل مرقس

۳۔ انجیل لوقا　　۴۔ انجیل یوحنا

انجیل متی: یہ متی حواری کی طرف منسوب ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب نامہ سے لے کر رفع ۳۰ء تک کے واقعات درج ہیں۔ ضمناً بعض احکام بھی آئے ہیں۔ اس کے کل باب ۲۸ ہیں۔

مؤلف انجیل کا تعارف: آپ ۱۲ حواریوں میں سے ایک ہیں۔ فلسطین کے ایک شہر کفرناحوم میں رومی حکام کی جانب سے آپ عشر وصول کرنے پر مامور تھے۔ رفع مسیح علیہ السلام کے بعد حبشہ میں سکونت اختیار کی جہاں ۷۰ء میں انتقال فرمایا۔

اس کتاب کی نسبت اس متی کی جانب درست نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے کیونکہ خود اسکے اندر متی حواری کے متعلق ایسے فقرے موجود ہیں جو کوئی مصنف اپنے متعلق نہیں لکھ سکتا۔ مثال کے طور پر یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"یسوع نے وہاں سے آگے بڑھ کر متی نامی ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا اور اس سے کہا "میرے پیچھے ہو لے۔ وہ اٹھ کر اسکے پیچھے ہو لیا۔ (۲)

کیا کوئی مؤلف اس انداز میں اپنا تذکرہ کرتا ہے، نیز متی نے اپنی کتاب میں مرقس (جو پطرس رسول کے شاگرد تھے) پر حد درجہ اعتماد کیا ہے۔ تقریباً چھ سو آیات انجیل مرقس سے ماخوذ ہیں (۳) غور کیجئے کیا وہ شخص جس نے مسیح کے احوال و ظروف کا قریب سے مشاہدہ کیا ہو وہ ان امور میں اپنے ساتھیوں کے کسی شاگرد پر اتنا اعتماد کر

سکتا ہے۔

یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اس انجیل کے زمانہ تالیف اور زبان میں بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام طور سے اسے ۳۷ء یا ۳۸ء یا ۴۳ء یا ۴۸ء یا ۶۱ء یا ۶۲ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء کی تالیف مانا جاتا ہے لیکن پروفیسر ہورن کے بقول اس کا زمانہ تالیف ۵۰ء سے ۶۰ء تک ہے (۴) جبکہ اریتوس اس کے زمانہ تالیف کی تحدید ۸۵ء سے ۹۰ء کے درمیان کرتے ہیں (۵) غور کیجئے جب متی حواری کا انتقال عیسائی تاریخ کے مطابق ۷۰ء ہی میں ہو گیا تھا تو آخر نوے کی دہائی میں انکی تالیف وہ کیسے کر سکتے ہیں۔

اس انجیل کی زبان کے بارے میں بھی مسیحی علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن بطریق کے بقول یہ انجیل عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی جبکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ اصلاً یونانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ جو لوگ عبرانی زبان میں انکی تالیف کے قائل ہیں انکے درمیان اس کے مترجم کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک رائے کے مطابق اس کے مترجم خود متی حواری ہیں جبکہ دوسری رائے کے مطابق انکے مترجم یوحنا بن زبدی ہیں (۶) اور اس وقت اس کا اصلی نسخہ موجود نہیں ہے۔ ظاہر ہے جب اصلی نسخہ مفقود ہے تو اس امر کی تحقیق کہ ترجمہ درست و مناسب ہے اور کیا مترجم نے مؤلف کے صحیح مدعا و مفہوم کو پایا ہے یا نہیں ایک مشکل امر ہے۔

انجیل مرقس: یہ انجیل مرقس کی جانب منسوب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری پطرس رسول کے شاگرد ہیں۔ اسکندریہ کا کلیسا انہوں نے ہی قائم کیا تھا۔ انہیں ۶۸ء میں قتل کیا گیا۔ انکی انجیل سابقہ انبیاء کی بشارتوں سے شروع ہوتی ہے جو حضرت مسیح کی تشریف آوری کے سلسلہ میں دی گئی تھیں اور حضرت عیسیٰ کے رفع آسمانی پر

ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں ۱۶ ابواب ہیں۔ انگریزی میں اسے MARK کہا جاتا ہے۔

اس انجیل کے زمانہ تالیف کے بارے میں بھی عیسائی محققین مختلف الرائے ہیں۔ ہورن کا خیال ہے کہ یہ انجیل ۵۶ء تا ۶۵ء کے درمیان لکھی گئی یا ۶۰ء یا ۶۳ء میں۔ مرشد الطالبین کے مؤلف اسے ۶۱ء کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ (۷)

انجیل لوقا: یہ انجیل حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے واقعے سے شروع ہوتی ہے اور ۲۴ بابوں میں رفع آسمان تک کے واقعات و احکام درج ہیں۔

مؤلف کتاب: لوقا انطاکیہ کے رہنے والے تھے، پیشہ کے اعتبار سے طبیب تھے۔ پولس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہے جیسا کہ (کلسیوں کے نام خط ۴: ۱۴) اور رسولوں کے اعمال (۱۶) سے معلوم ہوتا ہے۔ تقریباً ۷۰ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

بعض عیسائی محققین کا خیال ہے کہ آپ روم کے رہنے والے تھے اور آپ کا پیشہ مصوری تھا۔ ایسے ہی زمانہ تالیف میں بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہورن کے بقول یہ ۵۳ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں تالیف کی گئی۔ (۸)

غور کیجئے جس کتاب کے زمانہ تالیف اور مؤلف کی جائے پیدائش اور پیشہ میں اختلاف ہو اس پر آخر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

انجیل یوحنا: اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری کے بعد کے حالات سے حضرت عیسیٰ کے رفع آسمانی تک کے حالات درج ہیں اور اس کے ۲۱ باب ہیں۔

عیسائی علماء اسے یوحنا حواری کی تصنیف قرار دیتے ہیں لیکن درج ذیل حالات کی بنا پر اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب درست نہیں ہے۔

۱۔ اس انجیل کے مکتوبات و مشمولات سے قطعی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں اور جس چیز کی شہادت ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف

کوئی بات مانی نہیں جا سکتی تاوقتیکہ اس پر کوئی مضبوط اور قوی دلیل نہ ہو۔

۲۔ اس انجیل میں چند ایسے فقرے ہیں جو اس کی نسبت کو یوحنا حواری کی جانب غلط قرار دیتے ہیں۔ اس انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے:

"یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے۔"

یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے کہ "یہ وہ شاگرد ہے جو شہادت دے رہا ہے اور اس کی شہادت (ضمیر غائب کے ساتھ) اور اس نے حق میں "ہم جانتے ہیں" کے الفاظ (صیغہ متکلم کے ساتھ) کا استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا حواری نہیں ہے۔ (۹)

۳۔ دوسری صدی عیسوی میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا کہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے تو اس وقت آریتوس جو یوحنا کے شاگرد پولیکارپ کا شاگرد ہے موجود تھا لیکن اس نے منکرین کے جواب میں قطعاً کوئی بات نہیں کی۔ تو اگر یہ حقیقتاً یوحنا حواری کی تصنیف ہوتی تو انکار کی صورت میں آریتوس اس کی نسبت کی صحت کا ضرور اعلان کرتے۔ (۱۰)

۴۔ اس انجیل کے جعلی ہونے کی سب سے بڑی شہادت اس کی داخلی شہادت ہے۔ اس کا بیان دوسری انجیلوں کے بیان سے نمایاں طور سے مختلف ہے اور اس میں اہلینی فلسفے کا خاص طور پر فیلو کے فلسفیانہ افکار کا واضح عکس موجود ہے۔ اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ تمام تر مسیحی مواد کو ان فلسفیانہ اصطلاحات میں پیش کیا جائے جو اس زمانہ کے غیر یہودی عیسائیوں میں رائج تھے۔ (۱۱)

اگر یہ یوحنا حواری کی تصنیف ہوتی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ گلیل کا ایک ان پڑھ ماہی گیر (۱۲) اہلینی فلسفہ کی دقیق اصطلاحات کا اپنی کتاب میں آخر کیسے ذکر کر سکتا ہے۔

انہی اسباب کی بنا پر اب عموماً عیسائی محققین بھی اس انجیل کو دوسری صدی

عیسوی کی قرار دیتے ہیں۔

اسٹاڈلن کے نزدیک یہ کتاب اسکندریہ کے ایک مدرسہ کے طالب علم کی تصنیف ہے۔ محقق برطشنیدر لکھتے ہیں:

"یہ ساری انجیل، اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں بلکہ کسی شخص نے انکو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے۔" (۱۳)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے: "انجیل یوحنا بلاشک وشبہ جعلی ہے۔ اس کے مؤلف نے کتاب کے متن میں اپنے بارے میں یوحنا حواری ہونے کا دعویٰ کیا ہے جسکو متعصب نے بلا بحث و تحقیق مان لیا۔"

انسائیکلوپیڈیا آف فرانس میں ہے: "اس انجیل اور عہد جدید کے تین اور رسائل کی نسبت یوحنا حواری کی طرف کی جاتی ہے لیکن عصر حاضر کی مذہبی تحقیق میں یہ نسبت غلط قرار دی جاتی ہے۔" (۱۴)

متن اناجیل: آسمانی کتابوں کی ایک اہم خصوصیت ان کا تضادات و تناقضات سے پاک ہونا ہے۔ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً" (۱۵)۔ اگر یہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔

اس اعتبار سے اگر آپ اناجیل کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ اناجیل ناقابل تشریح تناقضات و اختلافات سے پر ہیں جسے عیسائی محققین تقریباً دو ہزار سال سے دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں (جیسا کہ پادری بوطرفی نے رسالہ "الاصول والفروع" میں اور پادری ابراہیم سعید نے بشارت لوقا کی شرح میں ایسی ہی بے فائدہ محنت کی ہے) لیکن اب تک وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔

اناجیل میں موجود اختلافات و تضادات پر سب سے مفصل بحث مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے "اظہار الحق" میں اور امام ابن حزم نے "الفصل" میں کی ہے۔
اختلافات و تضادات کی چند مشہور مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ اناجیل کی ظاہری شکل میں اختلافات

اناجیل اربعہ کے ابواب کی تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اناجیل اربعہ میں سب سے طویل انجیل متی ہے، اسکے ابواب کی تعداد ۲۸ ہے جبکہ مرقس کے ابواب کی تعداد صرف ۱۶ ہے جو سب سے مختصر انجیل ہے۔ لوقا کے ابواب کی تعداد ۲۴ اور یوحنا کی ۲۱ ہے۔

۲۔ نسب نامہ مسیح علیہ السلام میں اختلاف

متی اور لوقا میں عیسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ مذکور ہے جب کہ مرقس اور یوحنا میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ متی میں ان کے نسب نامہ کی ابتدا ابراہیم خلیل سے ہوتی ہے اور داؤدؑ سے ہوتے ہوئے یوسف نجار تک ان کا سلسلہ پہنچایا گیا ہے جنہوں نے بزعم نصاریٰ حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کو پیغام نکاح دیا تھا جب کہ لوقا میں ان کے نسب نامے کا آغاز آدمؑ سے کیا گیا ہے اور ابراہیم اور داؤد سے ہوتے ہوئے یوسف نجار تک پہنچایا گیا ہے۔ متی اور لوقا میں نسب نامہ کا جو شجرہ دیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

	متی	لوقا		متی	لوقا
۱۔	عیسیٰ علیہ السلام	عیسیٰ مسیح	۳۹۔	یعقوب	ملیاہ
۲۔	یوسف	یوسف	۴۰۔	اضحاق	مناہ
۳۔	یعقوب	عیلی	۴۱۔	ابرہام (۴۱)	متاتاہ
۴۔	متان	متات	۴۲۔	....	ناتن
۵۔	الیعزر	لاوی	۴۳۔	....	داؤد

۶۔	الیہود	ملکی	۴۴۔	....	یسی
۷۔	اخیم	ینا	۴۵۔	....	عوبید
۸۔	صدوق	یوسف	۴۶۔	....	بوعز
۹۔	عازور	متتیاہ	۴۷۔	....	سلمون
۱۰۔	الیاقیم	عاموس	۴۸۔	....	نحسون
۱۱۔	ابیہود	ناحوم	۴۹۔	....	عمیداب
۱۲۔	زربابل	اسلیاہ	۵۰۔	....	ارنی
۱۳۔	سیالتی ایل	نوگہ	۵۱۔	....	حسرون
۱۴۔	یکونیاہ	ماعت	۵۲۔	....	فارص
۱۵۔	یوسیاہ	متتیاہ	۵۳۔	....	یہوداہ
۱۶۔	امون	شمعی	۵۴۔	....	یعقوب
۱۷۔	منسی	یوسیخ	۵۵۔	....	اضحاق
۱۸۔	حزقیاہ	یوداہ	۵۶۔	....	ابرہام
۱۹۔	آخز	یوحنا	۵۷۔	....	تارہ
۲۰۔	یوتام	ریسا	۵۸۔	....	نحور
۲۱۔	عزیاہ	زربابل	۵۹۔	....	سروج
۲۲۔	یورام	سیالتی ایل	۶۰۔	....	رعو
۲۳۔	یہوسفط	نیری	۶۱۔	....	فلج
۲۴۔	آسا	ملکی	۶۲۔	....	عبر
۲۵۔	ابیاہ	ادی	۶۳۔	....	سلح
۲۶۔	رحبعام	قوسام	۶۴۔	....	قینان

۲۷۔ سلیمان	المودام	۶۵۔	ارفکسد
۲۸۔ داؤد	عیر	۶۶۔	سم
۲۹۔ یسی	یشوع	۶۷۔	نوح
۳۰۔ عوبید	الیعزر	۶۸۔	لمک
۳۱۔ بوعز	یوریم	۶۹۔	متوسلح
۳۲۔ سلمون	متات	۷۰۔	حنوک
۳۳۔ نحسون	لاوی	۷۱۔	یارد
۳۴۔ عمیناداب	شمعون	۷۲۔	مہلل ایل
۳۵۔ رام	یہوداہ	۷۳۔	قینان
۳۶۔ حصرون	یوسف	۷۴۔	انوس
۳۷۔ فارص	یونان	۷۵۔	سیت
۳۸۔ یہوداہ	الیاقیم	۷۶۔	آدم(۷)

دونوں کے شجرہ نسب میں یہ زبردست اختلاف اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ دونوں میں سے ایک تو یقیناً غلط ہے۔ یا کم از کم دونوں ناقابل اعتبار ہیں۔ نیز یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ دونوں نے انکا نسب یوسف نجار تک پہنچایا ہے جسے وہ لوگ حضرت مریم کا شوہر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ وہ تو صرف ابن مریم ہیں۔

تدفین کے بعد آپ کے مقام ظہور میں اختلاف

واقعہ صلب کے بعد آپ کو یوروشلم کے ایک غار میں دفن کر دیا گیا۔ تین دن کے بعد آپ جی اٹھے۔ لیکن آپ کا ظہور کہاں ہوا اس بارے میں چاروں انجیل کے بیانات مختلف ہیں۔

انجیل متی میں ان کے ظہور کی جگہ گلیل (۱۸) اور لوقا میں یوروشلم سے تقریباً سات میل دور اماؤس نامی ایک گاؤں میں اور یوحنا کے بقول یہودیہ اور گلیل میں

دونوں انجیلوں میں اور مرقس کی روایت کے بموجب ان کا ظہور گیارہ شاگردوں کے درمیان ہوا تھا (۱۹)۔

تدفین کے بعد قبر مسیح کی زیارت کرنے والوں کی تعداد میں اختلاف

مسیح علیہ السلام کو (انکے اعتقاد کے مطابق) تدفین کے بعد انکی قبر کو دیکھنے جو لوگ گئے ان لوگوں کے بارے میں بھی انجیل میں مختلف اقوال ہیں۔ انجیل متی میں ہے: "سبت کے بعد ہفتہ کی پہلی صبح کو مریم مگدلیہ اور ایک دوسری مریم قبر کو دیکھنے آئیں (۲۰)۔ انجیل مرقس میں ہے کہ "سبت کا دن گزرنے کے بعد مریم بورایہ اور مریم ام یعقوب اور سلومی نے خوشبودار چیزیں مول لیں تاکہ اس کو لے کر جائیں اور مل سکیں اور ہفتہ کے دن صبح تڑکے قبر پر پہنچیں تب سورج طلوع ہوا" (۲۱)۔

انجیل لوقا میں ہے: "ہفتہ کے پہلے دن فجر کی پہلی ساعت میں ان خوشبودار چیزوں کو جو تیار کی تھیں لے کر قبر پر آئیں (اور ان کی تشریف آوری کے بعد) دو شخص براق پوشاک پہنے ان کے پاس آکر کھڑے ہوئے" (۲۲)۔

انجیل یوحنا میں ہے: "ہفتہ کے پہلے دن مریم مگدلینی ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا قبر پر آئیں اور پتھر کو قبر سے ہٹا ہوا دیکھا" (۲۳)۔

ان مثالوں سے اختلافات کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ دو عورتیں تھیں کوئی کہتا ہے کہ تین تھیں کوئی کہتا ہے کہ صرف ایک عورت تھی جبکہ لوقا میں ہے کہ تمام عورتیں آئیں اور انکے ہمراہ دوسرے لوگ بھی وہاں پہنچے، نیز کوئی کہتا ہے کہ صبح کے وقت طلوع آفتاب سے قبل آئیں اور کوئی کہتا ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد۔ ظاہر ہے ان بیانات میں سے کوئی ایک ہی صحیح ہوگا اور چونکہ کسی روایت کو کسی روایت پر ترجیح دینے کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں اسلئے تمام ہی روایت غیر معتبر قرار پائیں گی۔

حاصل یہ کہ ہر انجیل میں مسیح علیہ السلام کے متعلق ایک مختلف کہانی کا

اندراج ہے۔ چنانچہ تمام اناجیل میں کہیں کہیں مشابہت بھی ہے اور کہیں کہیں اختلافات بھی۔ اسی طرح واقعات کا تاریخی تسلسل بھی ان میں یکساں نہیں ہے۔ ظاہر ہے تناقضات و اختلافات سے پر، تمدنی و معاشرتی مسائل سے خالی، رشد و ہدایت سے عاری کتاب عقیدہ و مذہب کے معاملہ میں کیسے قابل اعتماد ہو سکتی ہے۔

حواشی

۱۔ انجیل متی	باب ۹/۹	۲۔ حوالہ مذکور	باب ۹/۹
۳۔ ازالۃ الاناجیل	۱/۱۴۷	۴۔ تاریخ الصحف السماویہ	۱۱۱
۵۔ قصۃ الحضارۃ	ج ۱۱/۲۰۸	۶۔ الیہودیۃ والمسیحیۃ	ص ۳۲۰
۷۔ محاضرات فی النصرانیہ	ص ۴۳	۸۔ حوالہ مذکور	ص ۴۵
۹۔ اظہار الحق	۱/۳۵۹	۱۰۔ محاضرات فی النصرانیہ	۴۶
۱۱۔ مختلف مذاہب	ص ۳۵۲		

۱۲۔ یوحنا حواری ایک اجڑ ماہی گیر تھے، رسولوں کے اعمال میں ہے "جب انھوں نے پطرس اور یوحنا کی دلیری دیکھی اور معلوم کیا کہ یہ اجڑ اور ناواقف آدمی ہیں تو تعجب کیا" باب ۴/۱۳

۱۳۔ اظہار الحق	ج ۱ ص	۱۴۔ الیہودیۃ والمسیحیۃ	ص ۳۲۷
۱۵۔ سورہ نساء	آیت ۸۲	۱۶۔ انجیل متی	باب ۱
۱۷۔ انجیل لوقا	باب ۱	۱۸۔ انجیل لوقا	باب ۲۸/۶،۷
۱۹۔ انجیل لوقا	باب ۱۴/۱۲	۲۰۔ انجیل لوقا	باب ۲۸/۱
۲۱۔ انجیل لوقا	باب ۱۶/۱	۲۲۔ انجیل لوقا	باب ۲۴/۱
۲۳۔ انجیل لوقا	باب ۲۰/۱		

ذکر جلیلؒ (۱)

عبدالرب اثری فلاحی

نام: جلیل احسن بن علیم اللہ بن امیر علی

کنیت: ابو سعید اور ایام شباب میں روح مضری کے نام سے بھی علمی، ادبی اور تنقیدی مضامین لکھتے تھے۔

ولادت: مولانا کی ولادت باسعادت مردم خیز ضلع اعظم گڑھ یو۔پی، سے پچیس کلو میٹر شمال اور ملریا گنج سے قریب ایک گاؤں کریتی میں ہوئی۔ مختلف دستاویز، اسکول کے رجسٹر داخلہ اور پاسپورٹ پر آپ کی تاریخ پیدائش ۲۵ر جنوری ۱۹۱۳ء درج ہے، لیکن آپ نے خود اپنی ڈائری میں ۲۵ر جنوری ۱۹۱۳ء تحریر کیا ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

آپ کا تعلق اس علاقہ کی ایک مشہور اور معزز برادری روتارا کے ایک انتہائی غریب گھرانے سے تھا۔ یہ خاندان راجستھان سے آکر فیض آباد پھر وہاں سے محمد پور صدر کے علاقے میں اور بعد کو آبادی کے اضافے کے ساتھ ساتھ تقریباً پورے شمالی اعظم گڑھ میں پھیل گیا۔ بعد میں شیخ برادری سے مشہور ہو گئے۔ روتارا سے شیخ کیسے ہوئے نہیں معلوم۔ غالب گمان یہ ہے کہ روتارا راجپوت یا چھتری برادری کی کوئی شاخ رہی ہوگی۔ قبول اسلام کے بعد کچھ دنوں تک روتارا پھر بعد کو اپنے ہم پلہ مسلم برادری کا ٹائٹل اختیار کر لیا ہوگا۔ کیونکہ ذات برادری کے سسٹم میں راجپوتوں یا چھتریوں کا وہی مقام ہے جو بگڑے ہوئے مسلم معاشرے میں شیخوں یا صدیقیوں کا ہے۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے تو اس سے ہندوستانی معاشرے اور اس میں پائی جاری ذات برادری

کا ایک دلچسپ نوعیت اور صورت حال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بہر حال برسبیل تذکرہ یہ بات آگئی ورنہ مولانا اس سے بہت بلند تھے۔

والدین: آپ کے والد علیم اللہ ابن میر علی مرحوم بالکل ناخواندہ تھے۔ شروع میں زمین داروں کے گھر چند ٹکوں کی نوکری کر کے پیٹ پالتے رہے۔ ان کی پریشانی دیکھ کر ان کے ایک کرم فرمان کو لے کر کلکتہ گئے اور وہاں ایک جوٹ مل میں ملازمت کرنے لگے۔ وہ صوم و صلوۃ کے پابند تھے۔ داڑھی اتنی گھنی تھی کہ پانی کے قطرے پھنس کر رہ جاتے اور بغیر بالوں کو ہلائے نہیں گرتے۔ ان کے متعلقین ہم عمر رفقاء اور بزرگ لوگ اس پر متفق ہیں کہ وہ لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھے گئے۔ وہ بہت کم گو تھے، مولانا جب اول یا دوم میں تھے کہ گاؤں طاعون کی زد میں آگیا اور اسی طاعون میں والد صاحب نے وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی والدہ کا نام مسماۃ خاتون تھا، ان کی تعلیم صرف قاعدہ بغدادی سے لے کر الم ترکیف تک تھی۔ جس کا انہیں ہمیشہ قلق رہا۔ البتہ وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو ہمیشہ پڑھنے کی تلقین کرتی رہتیں اور اپنے کو بطور عبرت پیش کرتیں لیکن سوائے مولانا کے کسی نے پڑھ کر نہ دیا۔

صبح کے وقت جب مولانا مرحوم تلاوت فرمارہے ہوتے تو وہ بھی قریب آکر بیٹھ جاتیں، انکی نظریں قرآن کی سطروں پر ہوتیں اور مولانا کو اکثر حکم دیتیں کہ سطروں پر انگلی رکھ کر پڑھو اور مولانا کی انگلی کی گردش کے ساتھ ساتھ ان کی بھی انگلی گردش کرتی۔ ایک دن مولانا نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں بہت اصرار کے بعد رونے کا سبب بتایا کہ اپنی محرومی پر رونا آتا ہے کہ میں نہیں پڑھ سکی اور اسکا اس ننھی سی جان پر بے حد اثر پڑا اور اس نے انکو قرآنی تعلیم کے حصول پر اکسایا بھی۔

جب مولانا کے والد محترم کا انتقال ہوگیا تو رشتہ داروں نے انکی والدہ سے

درخواست کی کہ دوسری شادی کرلیں لیکن اپنی تینوں اولاد کے پیش نظر اس سے مسلسل انکار کرتی رہیں بالآخر لوگوں کے اصرار پر ہتھیار ڈالنا پڑا اور دوسری شادی سرائے میر سے متصل گاؤں "تھوی" کے جناب اسمٰعیل مرحوم سے ہوئی۔ لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور انکو دوبارہ بیوگی کے جانگسل داغ سے واسطہ پڑا اسی گاؤں کے ایک بزرگ نے پیش کش کی تو اپنے بچوں کے مستقبل کو دیکھتے ہوئے ان کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر آپ اپنی پوری جائداد میرے بچوں کے نام کردیں میں آپ سے شادی کر سکتی ہوں۔ انہوں نے بلا مضائقہ اس شرط کو تسلیم کرلیا چنانچہ تیسری شادی محترم عباس مرحوم صاحب سے ہوئی۔ تقریباً ۱۹۲۴ء میں دارفانی سے کوچ فرماگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ تین بھائی بہن تھے، سب سے بڑی حبیب النساء صاحبہ مرحومہ تھیں جن کی شادی کرمینی کے فوجدار علی سے ہوئی تھی، پھر آپ تھے اور سب سے چھوٹے بھائی جلال الدین ہیں جو کہ ناخواندہ ہیں۔ یہ آپ کے لئے مستقل پریشانی کا باعث رہے حتی کہ تعلیم حاصل کرنے پر سخت دست رویہ اپنائے اور تعلیمی اخراجات دینے پر پابندی عائد کردی تھی۔ مولانا کو اذیت دینے والوں میں سب سے آگے یہی رہے۔

بچپن: عام طور سے بچپن کو الفریبیوں کا نام دیا جاتا ہے لیکن مولانا کا بچپن اس کے برعکس تھا، چار سال کی ننھی سی عمر میں فالج کا حملہ ہوا اور بالکل مفلوج ہو کر رہ گئے مشیت ایزدی کچھ اور تھی جس کی وجہ سے آنکھ اور ذہنی قوت محفوظ رہی۔ اس فالج کے نتیجے میں ہر طرح سے لاچار و مجبور اور بے بس ہو کر رہ گئے۔ بچپن کی عقلی سطح پر کیو کچھ بیت رہا تھا اسکو اکثر اس طرح بیان فرماتے کہ "اللہ میاں نے مجھے اس درجہ عاجز و درماندہ کیوں بنادیا؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ اگر یہی کرنا تھا تو شروع سے ایسا کیوں نہ کیے رکھا جو کہ یہ بچپنا؟ اب میں دنیا میں جی کر کیا کروں گا، مجھے تو کسی لائق نہیں چھوڑا۔"

(ذکری ۳ ے ۱۹۹۱ء)

نہ شجر سایہ دارم نہ گیہ و سبز و زارم   در حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت ما را

اس شعر میں جن جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے ایسے ہی جذبات مولانا پر تقریباً ہر وقت طاری رہتے تھے پر دھیرے دھیرے یہ اثر زائل ہو گیا اور زندگی معمول کے مطابق گزرنے لگی لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ زحمت جاں گسل رحمت و نعمت ثابت ہوئی۔ رب علیم و خبیر اور رحمٰن خدا نے بڑا احسان فرمایا کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو لازماً گھریلو ماحول کے زیر اثر وہ کسان یا مزدور بننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن اس بیماری نے مولانا کو ذرے سے آفتاب بنا دیا اور اسی کی بدولت آپ کو لکھنا پڑھنا آیا۔ اردو فارسی سیکھی، قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ کتاب و سنت کو براہ راست عربی زبان میں پڑھنے اور پڑھانے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ اس طرح خدا نے ایسی لطیف تدبیر اپنائی کہ کوئی انکو یہ کہنے کے سلسلے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مزدوری یا کاشتکاری کرو۔ سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ کچھ پڑھیں لکھیں اور زمانے کے مطابق کہیں پر منشی وغیرہ بن کر پیٹ پالیں۔ ان ربی لطیف لما یشاء (سورہ یوسف: ۱۰۰)۔

تعلیم: قرآن پڑھنے کے بعد گاؤں کے مکتب میں داخل کیے گئے، جہاں آپ کے مشفق استاد جناب ریاست علی سے درس لینے لگے۔ انہوں نے ہی آپ کو از اول تا آخر قلم پکڑنا سکھایا۔ دریں اثناء والد محترم کا طاعون کی زد میں آکر انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اس طرح غربت کے ساتھ یتیمی کی مصیبت آئی۔ لیکن اس جاں گسل مصیبت و یتیمی کے باوجود تعلیمی سلسلہ جاری رہا۔ رفقاء کی ہمدردیاں ساتھ تھیں، ان کی مجبوری کا سب کو احساس تھا، خود اساتذہ ان کی ممتاز و منفرد حیثیت کی وجہ سے تعاون اور خصوصی توجہ دیتے رہے۔ اس طرح گاؤں کے مکتب میں درجہ دوم تک تعلیم

حاصل کی اور قریب کے دوسرے گاؤں سے پرائمری درجہ تین و چار پاس کیا پھر مڈل اسکول بلریا گنج میں تعلیم حاصل کرنے لگے جہاں اس وقت تحریک اسلامی کے صف اول کے قائد مولانا صدر الدین اصلاحی اور جامعۃ الفلاح کے سابق استاد مولوی محمد ادریس صاحب مرحوم بھی زیر تعلیم تھے، لگن کا یہ عالم تھا کہ معذوری کے باوجود دس کلومیٹر روزانہ پیدل چل کر آتے اور دس کلومیٹر پیدل چل کر واپس جاتے تھے۔ اسی دوران والدہ کے طویل علیل ہو جانے کی وجہ سے کچھ دنوں تک تو کرنبی کی ایک محترمہ خیر النساء صاحبہ پرورش و پرداخت کرتی رہیں لیکن جب علوی میں کچھ ماحول سازگار ہوا تو مولانا بھی علوی منتقل ہو گئے اور وہاں سے قریب اس وقت کے مایہ ناز علمی و تربیتی مرکز مدرسۃ الاصلاح میں تعلیم حاصل کرنے لگے لیکن معاشی مقاصد کے پیش نظر لوٹ کر پھر بلریا گنج مڈل اسکول میں داخلہ لیا اور تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس وقت مولانا مڈل اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے ان کے گھر والوں کے سامنے اس کے سوا کچھ اور مقصد نہیں تھا کہ کسی طرح مڈل پاس کر لیں اور کچہری کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر اپنی دال روٹی بھر کما لیا کریں اور اس وقت خود مولانا بھی اسی کو اپنی معراج سمجھتے تھے، دوسرے لوگ بھی مولانا کے حالات کے پیش نظر اتنا ہی کچھ سوچ سکتے تھے لیکن قدرت کچھ اور ہی چاہتی تھی، اسے منظور نہیں تھا کہ اس کا بندہ مجبور و یتیم کچہری میں اپنا آشیانہ بنائے وہ کیا کرنا چاہتا تھا اسے کوئی کیسے جان سکتا ہے...... اس کا مخفی ہاتھ پردے کے پیچھے کوئی دوسرا نقش بنا رہا تھا، وہ اس پٹری سے ہٹا کر دوسری بہتر پٹری پر چلانا چاہتا تھا۔ کہاں مڈل کی تعلیم پا رہے تھے اور کہاں مدرسوں کی خاک نے اس گھر کی لاج رکھ لی اور ذرے سے آفتاب بنا دیا۔ ہوا یہ تھا کہ مئی جون کا مہینہ تھا سنیچر کے دن بارہ بجے اسکول کی چھٹی ہوئی اور حسب معمول مولانا اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس زمانے میں چوک کے بعد ایک بہت بڑا باغ تھا جب کچھ دور چلے اور باغ کے محاذ میں

پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سڑک سے کچھ ہٹ کر پختہ کنویں پر ایک نہایت گورا چٹا سفید ریش دیہاتی آدمی نیا لباس (دھوتی، نیم آستین اور نیا چھینٹ کا انگوچھا) پہنے اکڑوں بیٹھا ہے۔ اس نے اشارہ سے مولانا کو بلایا، مولانا پہلے جھجھکے اور سمجھے کہ کہیں وہ لباس اتروا کر کنویں میں نہ پھینک دے لیکن مولانا پھر بھی رک رک کے اس کے پاس گئے۔ اس نے اپنا رومال جلتی ہوئی جگت پر بچھا دیا اور نہایت محبت بھرے لہجے میں بیٹھنے کو کہا، تب مولانا کی جان میں جان آئی اور وہ اس کے اصرار پر رومال پر بیٹھ گئے۔ اس نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو تو مولانا نے بتایا کہ "اسی مڈل اسکول سے آرہا ہوں۔" اسکول سامنے نظر آرہا تھا، پھر اس نے پوچھا کہ اس بستہ میں کیا ہے؟ مولانا نے کتابوں کا نام بتایا۔ اسکول اور کتاب کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر شدید نفرت کے آثار ظاہر ہوئے اور اپنی دیہاتی زبان میں بولا کہ "ای پوتھا پاری پڑھے سے تمرا کوئی فائدہ نا ہوئی او پوتھا پاری پڑھ جے سے کران سریپ کا مطلب سمجھ میں آوت ہے۔" (اس تعلیم سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پڑھنا ہو تو وہ پڑھائی پڑھو جس سے قرآن شریف کا معنی مطلب سمجھ میں آتا ہو۔) پھر دیر تک اسی موضوع پر بولتا رہا، جب اس کی بات مولانا کے دل میں اترتی چلی گئی تو اس سے استفسار کیا کہ "اس کے لئے کیا پڑھوں اور کہاں جاؤں؟" اس نے بتایا کہ باندہ چلے جاؤ پہلے قرآن حفظ کرو، پھر فارسی پڑھو اور اس کے بعد عربی شروع کرو، تب قرآن کے معنی سمجھ میں آئیں گے۔ یہ کہہ کر وہ سڑک پکڑ کر جنوب کی سمت میں چلا گیا اور مولانا گھر روانہ ہو گئے۔

اس شخص نے اپنی آتشیں تقریر کے ذریعہ مولانا کے تمام پچھلے معاشی تصورات کو پھونک دیا تھا۔ اب ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح باندہ پہنچیں اور قرآن کے معنی جاننے کی راہ اختیار کریں۔ وہ شدید ذہنی کشمکش میں رہنے لگے، پرانی راہ چھوڑ کر بالکل ایک نئی راہ اپنانا بہت مشکل تھا۔ بالآخر ایک طویل ذہنی ہلچل کا خاتمہ ہوا اور

مڈل اسکول کی تعلیم ترک کر دی۔ اسے ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا۔ یہ کرنا تھا کہ بستی کے ہر شخص کی ملامتوں کا نشانہ بن گئے، "اب یہ کھیتی دھرے گا، اب یہ بھیک مانگے گا۔"

لیکن مولانا پر اس کا مطلق اثر نہ ہوا اس لئے کہ مرشد نے اپنی تقریر کے دوران یہ بات کہہ دی تھی کہ "روٹی کی فکر نہ کرو، روٹی ملے گی جس نے منھ چیرا ہے وہ آہار بھی دے گا، وہ اپنی راہ پر چلنے والوں کو بھوکا نہیں مارتا چنانچہ آئندہ کی زندگی بتاتی ہے کہ مولانا کو اس طرح کی پریشانیوں کا احساس تک نہ ہوا۔ (حیات نو اگست ۱۹۷۹ء ص ۱۳ اور ذکری دسمبر ۱۹۷۳ء ص ۱۹-۲۰) گھر میں اپنی والدہ کو بمشکل تمام راضی کر کے باندہ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے گھر کی معاشی حالت نہایت ابتر تھی۔ لیکن پھر بھی ہمت کر کے توکل علی اللہ کے سہارے دینی تعلیم کے حصول میں منہمک ہو گئے۔ باندہ پہنچ کر "کنز العلوم" میں داخلہ لیا اور حسب پروگرام پہلے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔ رات دن محنت کرتے اور یہ مولانا کی رات و دن کی محنت شاقہ کا نتیجہ تھا کہ ایک سال میں بیس پارے اور چودہ ماہ میں پورا قرآن یاد کر لیا۔ اس کے بعد فارسی سیکھنے کی طرف راغب ہوئے اور اپنی مجنونانہ محنت سے تین سال کی فارسی ایک سال میں پڑھ لی۔ اس کے بعد عربی کا نمبر آیا۔ اس زمانے کی روداد بیان کرتے ہوئے مولانا مرحوم و مغفور فرماتے ہیں: "میں نے جس دن عربی شروع کی وہ دن میری زندگی کا سب سے پر مسرت و پر کیف دن تھا۔ میں خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا، اس طرح میں عربی پڑھنے لگا، لیکن درجے کے ساتھی خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس لئے وہ پڑھائی کی طرف سے بے توجہی برتتے، ہر وقت کھیل میں مصروف رہتے، جو کام دیا جاتا اسکو نہ کرتے، کوئی چیز یاد کرنے کے لئے دی جاتی تو یاد نہ کرتے۔ پڑھائی کی رفتار نہایت سست اور مایوس کن تھی۔ میں اس حالت سے پریشان رہتا۔ ایک دن میں نے اپنے استاد سے رو رو کر یہ کہا، "سبق بہت کم ہوتا

ہے۔ یہ گلازی لوگ ہیں۔ میں پڑھنے کی خاطر تمام مشقتیں جھیل کر اپنا وطن چھوڑ کر آیا ہوں۔ میں ان کے ساتھ کس طرح چل سکوں گا۔" استاد محترم نے میرے اس ذوق و شوق کو دیکھ کر مجھے خالی اوقات میں پڑھانا شروع کر دیا۔ اب میں اور زیادہ محنت کرنے لگا لیکن اسکے بعد تعلیم کی رفتار بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔" (حیات نو ماہ اگست ۱۹۷۹ء)

تعلیم کی رفتار میں کمی کی وجہ دراصل معاشی تنگی اور حد سے زیادہ محنت تھی، والدہ بمشکل کچھ بچا کر آپ کو بھیجتی تھیں۔ اس رقم کے سلسلے میں بھی عام طور سے یہ ہوتا تھا کہ والدہ کسی کو آپ کے پاس بھیجنے کے لئے دیتی تھیں لیکن اکثر و بیشتر وہ رقم خود رکھ لیتے اور کہتے کہ میں نے یہ رقم جلیل کو بذریعہ ڈاک بھیج دی ہے، حالانکہ مولانا کو خبر تک نہ ہوتی۔ بے سروسامانی کا عالم تھا دوسرے اہل خانہ تو ان کی اس تعلیم کے حصول کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کسی طرح کی اعانت نہیں کرتے تھے۔ مدرسہ سے بھی دن بھر میں صرف ایک وقت کا کھانا اس وقت کے عام رواج کے مطابق ملتا تھا جو کہ بہر حال ناکافی ہوتا تھا اور مجبوراً اسی پر مولانا کو قناعت کرنا پڑتی لیکن اس کے باوجود بڑی وضع داری سے اسکو نبھایا۔ معذوری کے باوجود حد سے بڑھی محنت نے انکی صحت پر برا اثر ڈالا اور نحیف و ناتواں ہو کر رہ گئے حتی کہ حصول علم کی خاطر اپنے کو گھلا کر رکھ دیا۔

آپ نے اتنا کچھ میسر ہونے کے بعد بھی قناعت کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ داخلی اضطراب اور ذوق و تجسس نے مجبور کیا کہ علم کی وسعتوں اور اسکی پنہائیوں کا سراغ لگائیں۔ سیماب وش فطرت کو ٹانڈہ کی آب و ہوا اور "کنز العلوم" کے محدود وسائل آسودہ کر ہی نہیں سکتے تھے، مزید تشنگی علم کو بجھانے کے لئے مشہور جامعہ "جامعہ اسلامیہ" (سورت) ڈابھیل کا رخ کیا جہاں کہ اس وقت کے بہترے ارباب علم و کمال دارالعلوم دیوبند کے اہتمام سے جزوی اختلاف کی وجہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر مہر و انجم کی کہکشائیں آباد کئے ہوئے تھے۔ جب یہ اساتذہ پھر دارالعلوم دیوبند واپس آئے تو مولانا

بھی ۱۹۳۳ء میں دارالعلوم دیوبند منتقل ہو گئے لیکن مولانا کو افسوس ہوا کہ صحیح بخاری کا درس محدث کبیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری سے نہیں لے سکے، کیونکہ جس دن مولانا دیوبند پہنچے شاہ صاحب کا جنازہ اٹھ رہا تھا۔ وہ صرف شکل دیکھ سکے۔ لیکن پھر اس وقت کے موجود علمائے کبار سے پورے انہماک سے درس لینا شروع کر دیا۔ مولانا اعزاز علیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے خاص ارادت رہی اور ان سے باترتیب ادب و حدیث کا خصوصی درس بھی لیا۔ مولانا کی لگن دیکھتے ہوئے وہ لوگ خصوصی توجہ و التفات بھی فرماتے رہے۔ یہاں کے اساتذہ کے علم و اخلاص، وسعت نظر، جوش عمل اور علوم و افکار سے خوب خوب استفادہ کے بعد وہ ادبی بیج جو دل میں گھر کر چکا تھا اور عربی ادب و انشاء سے جو خاص لگاؤ اور تعلق پیدا ہو گیا تھا اس ذوق و تجسس کی مزید آبیاری کے لئے نیز درس نظامی میں عربی ادب کے سلسلے میں جو خامی اور کمزوری پائی جاتی ہے اسکو محسوس کرتے ہوئے اس کمی کو دور کرنے کی غرض سے عالم اسلام کی ممتاز درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رخ کیا اور مولانا تقیؒ اور مولانا عبد الرحمن کاشغری جیسے اساتذۂ ادب و انشاء سے کسب فیض کیا اور علمی پیاس بجھائی۔ ان علوم و افکار کی کہکشاؤں سے مستفیض ہوئے جن سے کہ ایک عالم استفادہ کر رہا تھا۔ آپ نے علم و ادب اور ندوہ کی ثقافتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا اور ایک ممتاز فارغ التحصیل ندوی کی حیثیت سے اپنی شناخت پیدا کی۔

تعجب ہوتا ہے کہ اپنوں کے پریشان کرنے اور معاشی پریشانی کے باوجود نہایت یکسوئی کے ساتھ تعلیم کے حصول کے لئے کوشاں رہے اور آخر تک معاشی مستقبل کے لئے پریشان نہ ہوئے، جبکہ دینی تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں کو یہی سوال ہمیشہ پریشان کئے رکھتا ہے۔

(جاری)

فقہ و فتاویٰ

ابوار قمر قرازی

سوال: کیا فجر اور عشاء یا کسی بھی نماز میں جماعت سے بلا عذر غیر حاضر رہنے والے طالب کا ایک وقت یا دو وقت کا کھانا بند کرنا جائز ہے؟

جواب: وباللہ التوفیق: فجر یا عشاء یا کسی بھی نماز کی جماعت سے بلا عذر شرعی غیر حاضر رہنا ایک شرعی جرم ہے۔ عشاء کی جماعت سے غیر حاضر رہنے والوں کے مکانات جلا دینے کا آنحضرت ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا مگر گھروں میں عورتوں و بچوں کے موجود رہنے کی وجہ سے یہ ارادہ پورا نہیں فرمایا۔ گھروں کو جلا دینے کی دھمکی کے مقابلہ میں نماز باجماعت سے بلا عذر غیر حاضر رہنے پر ایک یا دو وقت کھانا بند کر دینا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ سزا انتہائی ہلکی سزا ہے جس سے زیادہ ہلکی سزا نہیں ہو سکتی اس لئے اس کے جواز میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

سوال: عموماً نرسری پبلک اسکولوں میں بچے ٹائی کا استعمال کرتے ہیں تو کیا ٹائی کا استعمال جائز ہے؟

جواب: ٹائی و ریڈ کراس کا نشان در حقیقت صلیب کی شناختی علامت ہے۔ ٹائی اور ریڈ کراس صلیبی ماحول ہی کی پیداوار اور اسی تہذیب کی عکاسی کرتا ہے لہٰذا اس کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ شریعت نے ایسے مظاہر و علامات کے استعمال کو بھی شرک کے حکم میں مانا ہے جو مشرکانہ عقائد کی یاد تازہ کرے۔ حضرت عدی بن حاتمؓ نے فرمایا کہ مسلمان ہونے کے بعد میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، "اے عدی اس بت کو اپنے گلے سے اتار کر پھینک دو"۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

عن عدی بن حاتمؓ قال: أتیت النبی ﷺ وفی عنقی صلیب من ذهب فقال یا عدی اطرح عنک هذا الوثن (ترمذی کتاب التفسیر حدیث ۵۰۹۳)

یہ حدیث صراحتاً اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ صلیب یا اس سے مشابہت رکھنے والی کسی بھی شکل و صورت کا استعمال جائز نہیں کہ آپ نے اسے بت قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے بعض طرق میں اگرچہ کلام کیا گیا ہے لیکن متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر یہ حدیث حسن لغیرہ ہو گی اور اس سے استدلال کرنا درست ہوگا۔ واضح رہے کہ اس حدیث کی تخریج امام ترمذی نے اپنی صحیح میں، احمد نے اپنی مسند میں اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں متعدد طرق سے کی ہے۔

سوال: کیا شوہر اپنی بیوی کو وفات کے بعد دیکھ سکتا ہے؟

جواب: احناف کے یہاں عام تصور یہ پایا جاتا ہے کہ بیوی کے مرتے ہی رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے اور شوہر اس بیوی کے لئے ایک اجنبی شخص کی مانند ہو جاتا ہے۔ لہٰذا نہ تو وہ اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ بعض لوگ اس قدر غلو کرتے ہیں کہ اس کے جنازہ کو کندھا دینے کو بھی ناجائز و حرام سمجھتے ہیں۔ یہ رائے درست نہیں ہے۔ کیونکہ رشتہ زوجیت مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے ورنہ آخر کس حق اور رشتہ کی بنا پر بیوی کے ترکہ میں حصہ پاتا ہے۔ ارشاد باری ہے، "ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد" اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں۔ یہ آیت صراحتاً اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بیوی وفات کے بعد بھی بیوی ہی رہتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد بھی ان کے حق میں ازواج ہی کا لفظ استعمال کیا ہے، لہٰذا بیوی کو غسل دینا اس کے چہرے کو دیکھنا، اس کے جنازے کو کندھا دینا اور اس کی تدفین میں حصہ لینا شوہر کے لئے جائز ہے جیسا کہ متعدد روایات اور بعض کبار صحابہ کے فعل سے بھی ثابت ہے

دلی تاثرات

بسلسلۂ وفات حضرت مولانا عبد الشکور ودود صدیقی مدفون دہلی مرحوم بتاریخ ۶جولائی ۱۹۹۵ء

ثاقب صدیقی ندوی

رخصت ہوا جو شخص عجب آزاد مرد تھا
عشق و جنون و شوق کا وہ رہ نورد تھا

صدق و صفا، خلوص و وفا اسکی خصلتیں
ارباب علم میں بھی نمایاں وہ فرد تھا

میدان کارزار میں تھا تیغ بے نیام
جس سے کہ کفر لرزہ براندام زرد تھا

ملت کے حال زار پہ رہتا تھا مضطرب
صبح و مساء وہ رنج و الم فکر و درد تھا

الفت کا وہ امین رہا دین کا نقیب
موسم کا لہجہ گرچہ بہت گرم و سرد تھا

دنیا کے اہل زر سے نہ تھا اسکو واسطہ
بس راہ جنوں ہی محبوب فرد تھا

درویش کے فراق میں رنجور اہل بزم
روئے افق بھی زرد اور محصور گرد تھا

عبد الشکور نام تھا، تخلص تھا اس کا ودود
مخلص تھا، باوفا تھا محقق تھا مرد تھا

ثاقب ہے خاص و عام کے لب پر یہی دعا
بخشے خدا اسے عجب آزاد مرد تھا

تعارف وتبصرہ

ابو عبد الرحمن عمار قاسمی

استعراض موجز لمساهمة الهند في علوم الحديث النبوي (عربی)

تالیف: ڈاکٹر خالد حامدی

ناشر: مکتبہ دعوت الاسلام، پوسٹ باکس نمبر ۹۷۰۲، ۱۱/۱، ابو الفضل انکلیو جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵ (انڈیا)

کتابت وطباعت: عمدہ　　قیمت: ۱۰۰ روپے　　صفحات: ۹۲

ڈاکٹر خالد حامدی صاحب کا نام علمی دنیا میں نیا نہیں۔ آپ جامعۃ الفلاح کے سپوتوں میں ہیں گرچہ مجھے تعجب ہے کہ آپ نے اپنی "فلاحی" نسبت کو ظاہر نہیں کیا ہے۔ اس وقت آپ "اللہ کی پکار" کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ بھی نکال رہے ہیں جو خاص طور سے دعوتی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس سے پہلے بھی موصوف کی کئی کتابیں اردو زبان میں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں سے "عربی ادب کی تاریخ" کافی مقبول ہوئی۔ البتہ عربی میں یہ آپ کی پہلی پیش کش ہے۔ یہ دراصل آپ کی اس عربی کتاب کا مقدمہ ہے جو آپ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے تیار کی تھی۔ اس کا عنوان تھی "مساهمة الهند باللغة العربية في أدب الحديث النبوي"۔ اس قیمتی تحقیق پر آپ کو ۱۹۹۲ء ہی میں ڈگری تفویض کی جاچکی ہے البتہ اب تک اسکی اشاعت کی نوبت نہیں آسکی تھی اب الحمد للہ یہ سلسلہ شروع ہوچکا ہے بجا طور پر توقع کی جاسکتی ہے کہ جلد ہی پوری کتاب منظر عام پر آجائیگی۔

موصوف کی اس تحقیق سے واضح طور پر یہ بات سامنے آگئی ہے کہ حدیث اور علوم حدیث کی گراں قدر خدمات علماء ہند نے صرف ماضی قریب ہی میں انجام

نہیں دی ہیں بلکہ عہد خلافت راشدہ ہی سے علماء ہند اس کی طرف متوجہ رہے ہیں اور ہر دور میں بیش قیمت خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ موصوف نے پورا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے گرچہ انھوں نے صرف عربی زبان میں لکھی گئی کتابوں کا سروے کیا ہے پھر بھی یہ تعداد ۱۴۶۱ تک پہنچ گئی ہے۔ ان سب کا انھوں نے مختصر تعارف کرایا ہے ساتھ ہی ان کے مولفین کی سوانح بھی دی ہے جو ۳۸۷ تک پہنچتے ہیں اس طرح سے گویا حدیث پر یہ کتاب ایک انسائیکلوپیڈیا کی شکل اختیار کر گئی ہے جس سے کوئی بھی حدیث کا طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اللہ موصوف کو جزائے خیر دے اور ان کی کوشش کو بابرکت بنائے، آمین۔

دوران مطالعہ یہ بات شدت کے ساتھ کھٹکی کہ موصوف نے جن چیدہ علماء حدیث کے اسمائے گرامی گنائے ہیں ان میں مولانا حمید الدین فراہی کا نام بھی شامل کیا ہے حالانکہ علم حدیث کے میدان میں انکی کوئی قابل قدر خدمت میرے علم میں نہیں ہے اگر واقعی ہے تو چاہوں گا کہ موصوف تفصیل سے آگاہ فرمائیں تاکہ ہم سب کے علم میں اضافہ ہو۔

۹۲ صفحات کی کتاب کی قیمت سو روپے کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ قیمت مناسب ہی رکھنی چاہئے تاکہ کتاب سہل الحصول رہے اور افادہ عام ہو۔

"قائد تحریک اسلامی ہند" نمبر کا دوسرا ایڈیشن

مولانا ابو اللیث صاحب اصلاحی ندویؒ کے حالات زندگی اور خدمات پر مشتمل "حیات نو" کی خصوصی پیشکش۔ "قائد تحریک اسلامی ہند" نمبر ضروری تصحیح کے بعد دوبارہ منظر عام پر آچکا ہے۔ خواہش مند حضرات جلد رابطہ قائم کریں۔

قیمت: ۱۵/روپیہ

پتہ: منیجر "حیات نو" جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ۔ 276 121 (یو پی)۔

فون: 05466-25115

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

ڈاکٹر عبد المجید ندوی صاحب کی آمد: مولانا ملک حبیب اللہ صاحب قاسمی سنتوی کا جن کا جامعۃ الفلاح کے خاکے میں رنگ بھرنے میں اہم کردار رہا ہے آپ انہیں کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ نے جامعۃ الفلاح میں عربی اول تک تعلیم حاصل کی اور پھر خانگی مسائل کی وجہ سے دار العلوم ندوۃ العلماء چلے گئے تھے جہاں عربی چہارم میں داخلہ ہوا تھا۔ ندوہ سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم رہے، ان دنوں قاہرہ ریڈیو (اردو سروس) سے وابستہ ہیں۔ آپ جب بھی گھر تشریف لاتے ہیں جامعہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ ۹ر اگست ۱۹۹۶ء کو جب آپ جامعہ تشریف لائے تو آپ سے استفادے کے لئے ایک پروگرام رکھا گیا۔ آپ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد مصر کے حالات پر روشنی ڈالی، طلبہ کو مفید مشورے دئے، اخیر میں سوال و جواب کا سلسلہ بھی چلا۔

آپ نے بتایا کہ جامعہ ازہر تعلیم کے تمام ہی اہم شعبوں پر مشتمل ہے اور تمام اہم ضروریات کے لئے وہیں افراد تیار کئے جاتے ہیں۔ افسوس کہ ہمارے یہاں کا تعلیمی نظام ایسا نہیں ہے۔ ہمیں جامعہ ازہر کے نہج پر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

انھوں نے عربی زبان جو قرآن کی زبان ہے اس سے خصوصی تعلق قائم کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کوئی مشکل نہیں۔ مصر کی اصل زبان قبطی تھی لیکن انھوں نے عربی کو اپنایا اور عربی میں بہت آگے نکل گئے۔ مصر میں اسلام اور زبان دونوں پہنچی لیکن ہندوستان میں صرف اسلام پہنچا زبان نہیں پہنچی آج ہم اپنی کوشش

سے اس خلا کو پر کر سکتے ہیں۔

انہوں نے اپنے اس مشاہدے کو بھی تعجب کے ساتھ بیان فرمایا کہ وہاں عام طور سے طلبہ اور نوجوانوں میں ذاتی لائبریری بنانے کا رجحان ہے جبکہ ہمارے یہاں اس کا فقدان پایا جاتا ہے۔

مسالک کا اختلاف وہاں بھی موجود ہے لیکن وہ شدت نہیں پائی جاتی جس میں ہمارے یہاں لوگ مبتلا ہیں وہ لوگ بہت خوشگوار ماحول میں مختلف مسائل پر باہم تبادلہ خیال بھی کرتے ہیں اور برادرانہ تعلقات بھی رکھتے ہیں۔

طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے انہوں نے اخلاص پیدا کرنے، باہمی اتحاد کو نشو و نما دینے، عصبیت سے دور رہنے اور چھٹیوں میں دعوتی کام انجام دینے کی طرف توجہ دلائی۔

سوال وجواب کے دوران آپ نے "اخوان المسلمون" کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالی اور ان کی سرگرمیوں سے بھی واقف کرایا۔

آخر میں انہوں نے بتایا کہ ریڈیو قاہرہ سے ہندوستانی وقت کے مطابق شام کو ۳۰-۹ سے ۳۰-۱۱ تک اردو میں پروگرام نشر کیا جاتا ہے۔ "مذہبی استفسار" کا پروگرام انتہائی اہم ہوتا ہے۔ اس میں خاص طور سے ہم اساتذہ جامعہ ازہر سے استفادہ کرتے ہیں۔ آپ اپنے سوالات کے ذریعہ اس میں شرکت کر سکتے ہیں۔

یوم آزادی: حسب روایت یوم آزادی کی مناسبت سے ۱۵/ اگست ۱۹۹۶ء کو پروگرام منعقد ہوا۔ اکثر مقررین نے آزادی کے پچاس سال پورے ہونے کے تناظر میں تجزیاتی تقریر کی۔ حصول آزادی کے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ "حقیقی آزادی" آج بھی ہمیں حاصل نہیں ہو سکی۔ بقول جگر مراد آبادی:

جو تھے غلامانہ زندگی میں   وہی ہیں لیکن وہ نام اب بھی

انہوں نے بتایا کہ بظاہر مادی اور سائنسی ترقی نظر آتی ہے لیکن انسانیت کو جس امن و سکون کی ضرورت ہے وہ آج بھی مفقود ہے خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ جو پیش آیا آرہا ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے خواہ علی گڑھ یونیورسٹی و جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار کا خاتمہ ہو یا بابری مسجد کی تہدیم کا۔ فسادات کا لامتناہی سلسلہ ہو یا لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے پر پابندی۔ یکساں سول کوڈ کی لٹکتی تلوار ہو یا ہندو تہذیب میں ضم کرنے کی کوشش، اردو زبان کا مسئلہ ہو یا وندے ماترم کے ترانے پر اصرار۔

آخر میں صدر جامعہ مولانا محمد طاہر صاحب مدنی نے اختتامی گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ یقیناً ترقی کے مقابلہ میں تنزلی کا پیمانہ بڑھا ہوا ہے لیکن تجزیہ کرتے وقت ہمیں دونوں کو سامنے رکھنا چاہئے۔ تشویشناک مسئلہ باہمی منافرت کا ہے جسے فاشسٹ قوتوں نے بالقصد اور منصوبہ بند طریقے سے پیدا کیا ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر عام لوگوں کو اطمینان سے اسلام کو سمجھنے کا موقع مل گیا تو پھر وہ بڑی تیزی سے پھیلے گا۔ نیز آپ نے فرمایا اس صورت حال کا تقاضہ ہے کہ ہم اپنی حیثیت کو پہچانیں۔ ہم داعی ہیں۔ دعوت دینا ہمارا فرض منصبی ہے۔ اس کو انجام دینے میں ہم لگ جائیں۔ مطلباتی سیاست کو چھوڑ کر بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کی کوشش کریں، باطل ادیان کے ظلم و جور سے چھڑا کر اسلام کے سایہ عدل تلے پہنچائیں کہ اصلاً آزادی اس کا نام ہے۔ ملک کی اس ضرورت کے پیش نظر جماعت اسلامی ہند نے نعرہ دیا ہے "ففروا الی اللہ" دوڑو اللہ کی طرف۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی خاطر ہم اپنا سب کچھ جھونک دیں تاکہ انسانیت بھی نجات پائے اور ہم بھی اس فریضہ سے سبکدوش ہو سکیں۔

المکتبة المرکزیة میں نئی کتب کا اضافہ: اللہ کا شکر ہے کہ المکتبة المرکزیة کی تعمیر کے بعد اب ذمہ داران جامعہ مختلف علوم و فنون پر کتب کی فراہمی

میں جٹ گئے ہیں۔ کیونکہ موجودہ ذخیرہ اس قدر کم ہے کہ شاید عمارت کے دسویں حصے کا بھی بمشکل احاطہ کر سکے۔ حال ہی میں تقریباً ۲۶ ہزار روپے کی کتب کا اضافہ ہوا ہے مزید کیلئے آرڈر دیا جا چکا ہے، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ مخیر حضرات دل کھول کر اس میں حصہ لیں کہ یہ ان کے لئے بہترین صدقہ جاریہ بن سکتا ہے کیونکہ معمول کے بجٹ سے لائبریری کا پیٹ بھرنا بظاہر مشکل لگتا ہے۔ اس سلسلہ میں اصحاب تصانیف اگر اپنی تصانیف ہی ارسال فرمادیں تو یہ ان کا قیمتی ہدیہ ہوگا۔ بعض ذاتی لائبریریاں جن کا افادہ عام نہیں ہے اگر وہ اپنی کتب جامعہ کے حوالے کردیں تو ان سے افادہ عام ہو سکتا ہے۔ امید کہ ہمدردان جامعہ اس پر توجہ دینگے۔

خوشی کی بات: ہمیں یہ اطلاع دیتے ہوئے انتہائی مسرت ہو رہی ہے کہ حافظ محمد ابوذر صاحب فلاحی (رکن شوریٰ انجمن طلبہ قدیم) طبیہ کالج علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں M.D. کے مقابلے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ اسی طرح B.U.M.S. کے مقابلہ جاتی امتحان میں محمد طارق صاحب فلاحی (کانپور) اور شمشاد احمد صاحب فلاحی (اعظم گڑھ) کامیاب ہوئے ہیں۔

امسال جامعہ ہمدرد دہلی کے B.U.M.S. کے مقابلہ جاتی امتحان میں پانچ فلاحی کامیاب ہوئے ہیں۔ جن کے اسماء درج ذیل ہیں:- ۱۔ عبدالسلام ذکی صاحب فلاحی (رامپور)، ۲۔ عبید الرحمن صاحب فلاحی (دہلی)، ۳۔ وسیم احمد صاحب فلاحی (اعظم گڑھ)، ۴۔ ابوالفیض صاحب فلاحی (اعظم گڑھ)، ۵۔ مشتاق احمد صاحب فلاحی (بجنور)۔ اللہ سے دعا ہے کہ تمام بھائیوں کو اپنے کورس کی تکمیل اور پھر اپنے علم کے ذریعہ خدمت کی توفیق بخشے، آمین۔

اطلاع ملی ہے کہ سعید احمد صاحب فلاحی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں B.A.

میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔ ہم انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ انہیں علم و عمل میں مزید ترقی عطا فرمائے، آمین۔

اظہار تعزیت: انتہائی تاخیر کے ساتھ ہمیں یہ خبر ملی کہ حافظ محمد محفوظ صاحب فلاحی (سابق صدر ایس، آئی، ایم، آف انڈیا) (فضیلت ۱۹۸۵ء) کے والد محترم جناب محمد نعمان صاحب ندوی ۲۰ مئی ۱۹۹۸ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ تاج المساجد بھوپال میں حدیث و فقہ کے استاد تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی تھے، زہد و تقویٰ اور للہیت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ انتہائی سادہ زندگی گزارتے اور اکثر وقت تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ اطلاع کے مطابق نماز کی حالت میں ہی آپ سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔ آہ! کتنی مبارک ہے یہ موت۔ دعا ہے اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ملے، آمین ثم آمین۔

تاخیر سے اطلاع پر معذرت کے ساتھ یہ اندوہناک خبر بھی ہمارے لئے باعث رنج و غم ہے کہ مولانا محمد عرفان صاحب فلاحی (استاذ شعبہ ثانوی) کی والدہ محترمہ شاہنہ صاحبہ ۸ فروری ۱۹۹۸ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وہ ستر سال کی تھیں، صوم و صلوٰۃ کی انتہائی پابند تھیں۔ وقت اور اصول کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں۔ مولانا کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ اسکے بعد سے والدہ ہی نے سب کچھ تج کر پرورش کی اور تعلیم و تربیت دی تھی۔ دعا ہے اللہ انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

یہ خبر بھی ہمارے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے کہ حافظ ارشاد احمد صاحب (ہیڈ شعبہ ابتدائی) کا پوتا عزیزم عازم نعمان ۳۱ جولائی ۱۹۹۸ء کو ڈوب کر اللہ کو پیارا ہو

گیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ بالکل معصوم تھا، بمشکل دو سال عمر تھی۔ اپنے اشبال عاذ والدین اپنے گھر کے سامنے کھیل رہا تھا وہیں کھیلتے کھیلتے سامنے موجود انتہائی گہرے تالاب میں لڑھک گیا اور کسی کی نظر بھی نہیں پڑی۔ بعد میں جب تلاش شروع ہوئی تو لاش برآمد ہوئی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اپنے والدین اور پس ماندگان کے لئے بہترین ذخیرہ اور توشہ آخرت ثابت ہو، آمین۔

ہمارے لئے یہ خبر بھی باعث حزن وملال ہے کہ ماسٹر کفیل صاحب (استاذ شعبہ ابتدائی) کے بہنوئی جناب مرزا افتخار بیگ صاحب بھی ۸ / اگست ۱۹۹۸ء کو دل کا دورہ پڑنے سے انتقال فرما گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ لاولد تھے، بیلہ ابھی باحیات ہیں اللہ انہیں اور دیگر پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔

یہ افسوسناک خبر بھی ہمارے لئے شدید تکلیف دہ ہے کہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب (صدر مدرس جامعۃ الفلاح) کے چچا اور استاذ گرامی مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی کے بڑے بھائی جناب نذیر احمد صاحب ۱۲ / اگست ۱۹۹۸ء کو اس جہان فانی سے سدھار گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ عمر ۸۰ سال تھی، کافی ملنسار اور صوم و صلوۃ کے پابند تھے۔ دعا ہے اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔